صحابۂ کرام کا تعارف

قرآن اور اہل بیتؓ کے اقوال کی روشنی میں

تالیف

عبداللہ بن جوران الخضیر

نظر ثانی

شیخ راشد سعد الراشد

ترجمہ

عنایت اللہ وانی

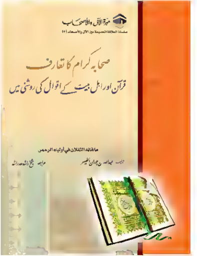

انتساب

اہلِ بیت اور صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم
کو چاہنے والوں کے نام

نام کتاب : ما قاله الثقلان في أولياء الرحمن
اردو نام صحابۂ کرام کا تعارف
قرآن اور اہل بیت کے اقوال کی روشنی میں
تالیف : عبداللہ بن جبران الظہیر
نظر ثانی : شیخ راشد سعد الراشد
ترجمہ عنایت اللہ الدوانی

شکر و امتنان

مبرۃ الآل والاصحاب، شیخ عبداللہ بن جوران الخضیر کی ممنون ومشکور ہے کہ انہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کافی محنت اور بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

قارئین کرام کے لئے اس کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مبرۃ میں موجود "مرکز البحوث والدراسات" ایسی تمام کتابوں کی تالیف وتصنیف پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے جو اس کے اہداف ومقاصد کے مطابق ہوں۔ اسی طرح مرکز ایسی تمام کتابوں کو حاصل کرنے کا اہتمام کرتا ہے جو اس موضوع سے متعلق کہیں بھی موجود ہوں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر محنت کرنے والے کو اجر عظیم سے نوازے اور امت مسلمہ میں اتفاق واتحاد پیدا فرمائے۔ آمین

فہرست

عناوین	صفحہ نمبر
مقدمہ	۸
تمہید	۱۰
پہلا باب "صحابہ کی تعریف"	۱۴
لفظ صحابی کا مفہوم	۱۴
تنبیہ	۱۷
"صحابی" کی اصطلاحی تعریف	۱۹
دوسرا باب: صحابہ کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثناخوانی	۲۱
۱-صحابہ کرام کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثناخوانی	۲۳
کتاب اللہ میں صحابہ کرام کی ثناخوانی	۲۳
صحابہ کرام کے بارے میں اہل بیت کی تعریف وتوصیف	۲۹
۲-خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ثقلین کی تعریف وثنا	۳۸
۳-مہاجرین وانصار کے بارے میں ثقلین کی تعریف وثنا	۴۲
مہاجرین وانصار کے بارے میں قرآن کریم کی تعریف وثنا	۴۳

مہاجرین، انصار کے بارے میں نبی کریمؐ اور اہل بیت کی تعریف وثنا	۵۱
۴- اہل بدر کے بارے میں ثقلین کی تعریف وثنا	۵۴
۵- فتح سے پہلے اور بعد میں انفاق کرنے والوں کے حق میں ثقلین کی مدح وتعریف	۵۶
تیسرا باب فتنہ کا ظہور کیسے ہوا؟	۶۳
۱- مسلمانوں کے مابین سب سے پہلے فتنہ پروری کرنے والا شخص	۶۳
۲- فتنہ کا آغاز	۷۰
جنگ جمل	۷۲
جنگ صفین	۷۳
حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد	۷۹
چوتھا باب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش	۸۲
۱- صحابہ کرام کی عدالت کو مجروح کرنے کی سازش	۸۳
۲- صحابہ کی سیرت کو داغدار کرنے کی کوشش	۹۳
پانچواں باب صحابہ کے بارے میں صحیح موقف	۹۵
چھٹا باب: صحابہ اور اہل بیت کے مابین رشتہ داریاں	۱۰۱
ساتواں باب: بعض اعتراضات اور ان کے جوابات	۱۱۶

پہلا اعتراض صحابہ کے مرتد ہونے کا دعویٰ	۱۱۸
دوسرا اعتراض حوض کوثر سے متعلق حدیث	۱۲۲
تیسرا اعتراض صحابہ کی ایک جماعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مذمت کرنے کا دعویٰ	۱۲۶
چوتھا اعتراض صلح حدیبیہ کے موقعہ پر نبی کریمؐ کے حکم کی مخالفت کرنے کا دعویٰ	۱۳۳
پانچواں اعتراض واقعہ قرطاس	۱۴۰
چھٹا اعتراض فدک کی میراث کے سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ کا موقف	۱۵۰
ساتواں اعتراض حضرت ابوبکرؓ کا حضرت فاطمہؓ کی توہین کرنے کا دعویٰ	۱۶۷
آٹھواں اعتراض مالک بن نویرہ اور ان کی بیوی کے بارے میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا موقف	۱۷۴
اختتام سے پہلے چند گذارشات	۱۸۵
فہرست مراجع	۱۹۲

مقدمہ

تمام تعریفیں رب دوجہاں کے لئے سزاوار ہیں، درود وسلام ہو اس ذات گرامی پر جس کو تمام عالم کے لئے سراپا رحمت، ہدایت اور نور بنا کر بھیجا گیا، آپ کے اہل بیت پر، جو ہدایت کے روشن چراغ اور منبع نور ہیں، آپ کے تمام اصحاب پر، جنہوں نے قرآن کو اپنے بعد کے لوگوں تک پہنچایا اور ان تمام لوگوں پر جو تا قیام قیامت ان کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔ اما بعد!

اللہ تعالی کے انعامات احسانات میں سے یہ ایک بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ہمارے پاس ہم ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جس کی دعوت کا مقصد اور اہم ترین کام یہ تھا کہ ہم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی راہ پر گامزن کرے، شقاوت و بدبختی سے بچا کر دنیوی و اخروی سعادت سے ہمکنار کرے۔

جب پیغمبر دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پیغام پہنچانے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس مبارک دعوت کو ایک ایسی جماعت نے سنبھالا جن کا انتخاب من جانب اللہ ہوا۔ اللہ نے ان کے دلوں کا امتحان لیا اور ان کے تقوی کو پرکھا، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو اپنی رضا اور مغفرت کے انعام سے نوازا۔

اس عظیم الشان رضا اور مغفرت کے انعام سے اسی وقت نوازا گیا جب کہ اس پاکیزہ جماعت نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جنہوں نے دشمنوں کو بھی حیران کر دیا چہ جائے کہ دوستوں کو، مشہور ہے کہ برتن سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس میں موجود ہو۔

اگر چہ انہوں نے اس دین کے لئے ہر چیز قربان کی اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا لیکن اس کے باوجود لوگوں میں سے ایک گروہ ان سے خوش نہیں ہوا، یہ اس

لئے کہ وہ صحابہ کی حقیقت سے واقف نہیں تھے یا وہ اسلام کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے اور ان کا ایمان راسخ نہیں تھا، اس لئے ان میں سے ایک فریق نے تو جانتے بوجھتے اور دوسرے فریق نے ناواقفیت میں جذبات کی رو میں بہہ کر غلط اقوال کی پیروی کی، تاکہ اس دین کی بنیادوں کو متزلزل کیا جائے اور اس کے سدا بہار درخت کو خشک کیا جائے، اسی کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ اس دین کو ہم تک پہنچانے والے صحابہ کرام کے بارے میں طعن وتشنیع کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

ان چند صفحات میں کوشش کی گئی ہے کہ صحابہ کی مقدس جماعت کے مقام ومرتبہ کو واضح کیا جائے، کیونکہ جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کے احباب سے بھی محبت کرتا ہے اور ان سب کو اپناتا ہے اس کے دشمنوں کو، اور ان سے بغض ونفرت رکھنے والوں کو وہ ناپسند کرتا ہے، یہ اس دنیا کی سنت ہے، اس سے کوئی بھی - سوائے کینہ پرور لوگوں کے - مستثنی نہیں ہو سکتا ہے، ہم صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ہر اس شخص سے محبت کرتے ہیں جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کی ہے، اس لئے کہ ہمارے دین کی بنیاد ہے اللہ کے لئے اس کے اولیاء سے محبت کرنا اور اسی کے لئے اس کے اعداء سے دشمنی رکھنا۔

اگر اس پہلو کو واضح کرنے میں مجھ سے کمی رہ گئی ہو تو اس کا سبب یہ ہے کہ جو چیز واضح اور معروف ہو اس میں زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اس کی مزید توضیح مشکل ہو جاتی ہے، اور کبھی واضح چیز کی مزید وضاحت اس کو مشکل بنا دیتی ہے۔

اگر مجھ سے کوئی چیز رہ گئی ہو تو مجھے امید ہے کہ محبت کرنے والے خیر خواہ حضرات میری رہنمائی کریں گے اور آگاہ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیں گے، ہم سب کا مقصد یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت ہمارے دلوں میں راسخ ہو جائے۔

تمہید

لغوی اعتبار سے صحابی کا مفہوم کیا ہے اور اصطلاح میں صحابہ کا اطلاق کن برگزیدہ شخصیات پر ہوتا ہے اس سلسلہ میں بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں کوئی واضح تصور نہیں ہے، بلکہ انہوں نے دونوں طرح کے مفاہیم کو خلط ملط کر دیا ہے اور اس کے بہت سے اسباب ہیں مثلاً

۱- اس کے بارے میں ان کی عدم واقفیت اور قلت فہم۔

۲- دونوں کے درمیان فرق کرنے کی طرف عدم توجہ، اس لئے کہ عربی زبان کے بارے میں ان کے پاس موجود مواد بہت ہی قلیل ہے۔

ان دو اسباب کی بنا پر بعض مرتبہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ صحیح بات کو سمجھنے کے سلسلے میں ان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں جس کی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی جانب انہوں نے بہت سے غلط قسم کے اقوال وافعال منسوب کئے، اور ان کے بارے میں غلو اور غلط جیسے بہت سے خطرناک قسم کے اعتقادات گڑھ کر ان کی جانب منسوب کئے، اس بے بنیاد تصور کے بارے میں وہ ان متشابہ آیات یا ان قرائن و دلالات سے استدلال کرتے ہیں جن سے انہوں نے اپنی کج فہمی اور کوتاہ نظری کے ذریعہ غلط مفاہیم سمجھے، اس طور پر کہ انہوں نے احادیث صحیحہ متواترہ میں موجود متفرق کلمات لے کر ان کی تحدید اور بے بنیاد تاویلات و تشریحات کیں، اس سے ان کی کم علمی و کم مائیگی اور کج فہمی کے علاوہ اور کسی چیز کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے لوگ عربی زبان سے نابلد ہوتے ہیں، اور اپنے دعوی پر ضعیف یا موضوع قسم کی روایات سے استدلال کرتے ہیں جو پوری صحت

کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی نہیں ہوتی ہیں، اس لئے یہ وہم باطل پر انحصار و اعتماد کرتے ہیں جیسے کہ ڈوبنے والا تنکے کا سہارا لیتا ہے۔ اس موضوع پر ان سے گفتگو کرنے والے کسی بھی شخص کے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بہت سی بڑی لغزشوں اور غلطیوں سے تعلق رکھنے والے علم کے بارے میں وہ کتنے کم مایہ ہیں، اس علم سے مراد علم مصطلح الحدیث یا علم اسماء الرجال ہے۔

اس لئے صحابہ کرام کی عدالت پر گفتگو کرنے سے پہلے مندرجہ ذیل اہم امور پر روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے

۱- لفظ "صحابہ" کی تعریف

۲- کیا منافقین کا تعلق "صحابہ" سے تھا؟ کیا صحابہ میں بھی منافقین تھے (نعوذ باللہ)؟

۳- کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہونے والوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن پر صحابہ کا اطلاق ہوتا ہو؟

۴- ان صحابہ کے بارے میں اہل بیت کے اقوال کیا ہیں؟

۵- اگر اللہ ان سے راضی ہو چکا تھا اس کے باوجود ان کے مابین اختلاف کیوں ہوا؟

۶- صحابہ کرام سے اہل بیت کی محبت اور دوستی کے دلائل کیا ہیں؟

یہ اور اس قسم کے اور بھی بہت سے سوالات اور شبہات ہیں جن کا جواب خاص طور پر آئندہ آنے والے ان صفحات میں ملے گا جن میں صحابہ کرام کی عدالت، مقام و مرتبہ کے سلسلہ میں ثقلین (کتاب اللہ اور اہل بیت) کی شہادتیں اور اقوال پیش کئے گئے ہیں، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل ترتیب سے ان مباحث پر بحث کی گئی ہے۔

باب (۱) لفظ صحابی کی تعریف لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے

باب (۲) صحابہ کرام کے بارے میں ثقلین (کتاب اللہ اور اہل بیت) کی مدح وثنا خوانی

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں کتاب اللہ اور اہل بیت کی ثنا خوانی

☆ خلفائے راشدین کے بارے میں ثنا خوانی

☆ مہاجرین، انصار کے بارے میں ثنا خوانی

☆ اہل بدر کے بارے میں ثنا خوانی

☆ فتح مکہ سے پہلے اور بعد میں انفاق اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے بارے میں ثنا خوانی

باب (۳) صحابہ کے مابین اختلاف کے ظہور کے اسباب، اور سب سے پہلا فتنہ پرور شخص

باب (۴) اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش

باب (۵) صحابہ کرام کے بارے میں صحیح ترین موقف

باب (۶) صحابہ کرام اور اہل بیت کے مابین قرابت، رشتہ داری

باب (۷) بعض شبہات واعتراضات اور ان کے جوابات

خاتمہ اس میں ان تمام مسائل سے بحث کی گئی ہے جو ایک مسلمان کے ذہن میں اس وقت ابھرتے ہیں جب وہ صحابہ کرام کے بارے میں غلط قسم کے بے بنیاد غلط دعوے اور شبہات سنتا ہے اس کتاب میں ان تمام مسائل کے بارے میں بحث کی گئی ہے تاکہ ہر شخص

کو اطمینان قلب حاصل ہو۔

ہر وقت اور مختلف جگہوں پر کئے جانے والے بہت سے شبہات واعتراضات کی وجہ سے اس موضوع سے متعلق بہت سے کئے جانے والے خیالات اور سوالات ذہن میں گردش کرنے لگتے ہیں، امید ہے کہ جو کچھ اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اس میں ان تمام سوالات اور اعتراضات کی حقیقت۔ ان کے جوابات مل جائیں گے اور بعض لوگ جو غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں ان کو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے میں مدد ملے گی، اللہ ہی حق کی توفیق مرحمت فرمانے والا ہے اسی لئے ہم توفیق کے طلب گار ہیں۔

پہلا باب

لفظ "صحابہ" کی تعریف

صحابہ کرام کی عدالت پر دلالت کرنے والے دلائل کو بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ لفظ "صحابہ" کے مفہوم کو واضح کیا جائے، اس لئے کہ اس لفظ کے مفہوم، اس کے عموم و اطلاق کی تعیین کے ذریعہ بہت سے امور پر روشنی پڑتی ہے۔

اس لئے اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی دونوں قسم کے مفاہیم کی وضاحت ضروری ہے۔

۱- لفظ "صحابی" کا لغوی مفہوم

صحابی صاحب کی جانب نسبت کرتے ہوئے صحابی کہا جاتا ہے، اس کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے۔ البتہ ان سب کے اندر ملازمت (ساتھ رہنے) اور انقیاد و اطاعت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔(۱)

لغوی اعتبار سے لفظ "صحبت" کے مختلف استعمالات کو بیان کرنے سے پہلے اس بات کی جانب متوجہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے تمام استعمالات اصطلاحی تعریف کے تحت نہیں آتے ہیں، بلکہ یہ صرف لغوی تعریف کے تحت آتے ہیں جن کو متعین حدود و قیود کے ساتھ مشخص کیا جاسکتا ہے، اس لئے مندرجہ ذیل سطور میں اس لفظ کے بعض لغوی مفاہیم کو بیان کیا جاتا ہے تا کہ جب اس لفظ کو مطلقاً استعمال کیا جائے تو اصطلاحی

---

(۱) لسان العرب ۱/۵۱۹

مفہوم ہی مراد لیا جاسکے، اس لفظ کے مختلف معنی مفاہیم مندرجہ ذیل ہیں:

۱- صحبت مجازی: اس کا اطلاق ایسے دو لوگوں پر ہوتا ہے جن کے اندر کوئی مشترک صفت پائی جاتی ہو اگرچہ ان دونوں کے درمیان زمانہ کا کافی فرق ہو مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج مطہرات سے یہ کہنا: انکن صواحب یوسف۔(۱) یعنی تم تو یوسفؑ کو فتنہ میں مبتلا کرنے والی زلیخا کی سہیلیوں کی طرح ہو۔

۲- صحبت اضافی: یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ کسی کو اس سے تعلق رکھنے والی کسی چیز کی جانب منسوب کیا جائے مثلاً کہا جاتا ہے صاحب مال، صاحب علم... وغیرہ۔

۳- کسی ذمہ داری یا عہدہ سے متعلق صحبت: مثلاً قرآن پاک میں منقول ہے "وما جعلنا أصحاب النار إلا ملائكة" (مدثر ۳۱)

ترجمہ "ہم نے دوزخ کے مددگار فرشتے بنائے ہیں"۔

۴- صحبت ملاقات: دو لوگوں کے درمیان ہونے والی ملاقات کے لئے بھی صحبت کا اطلاق ہوتا ہے، اگرچہ ایک ہی مرتبہ کسی بھی وجہ سے ملاقات ہوئی ہو اور پھر انقطاع ہو گیا ہو مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: البيعان بالخيار مالم يتفرقا أو يقول أحدهما لصاحبه اختر...(۲) یعنی بائع اور مشتری دونوں کو اس وقت تک (بیع فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں یا ان میں سے ایک اپنے صاحب (ساتھی) سے یہ کہے "انتخاب کرلو"۔ (الحدیث)

---

(۱) بحار الانوار ۲۸/۱۳۷ (۲) مستدرک الوسائل ۱۳/۲۹۹

اس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشتری (خریدنے والے) کو "صاحب" کہا ہے، حالانکہ بائع سے اس کی ملاقات سامان خریدتے وقت صرف ایک مرتبہ ہوئی۔

۵۔ صحبت مجاورت اس کا اطلاق مومن، کافر پر بھی ہوسکتا ہے قرآن پاک کی اس آیت میں صاحب سے یہی مفہوم مراد ہے، ارشاد فرمایا گیا ہے "قال له صاحبه وهو يحاوره، أكفرت بالذي خلقك من تراب ثم من نطفة ثم سواك رجلا" (الکھف ۳۷)

ترجمہ "اس کے ہمسایہ نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا۔

اسی طرح دوسری آیت "فقال لصاحبه وهو يحاوره انا اكثر منك مالا واعز نفرا"۔ (الکھف ۳۴)

ترجمہ "وہ اپنے ہمسایہ سے بات کرتے ہوئے بولا میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور تم سے زیادہ طاقتور لشکری رکھتا ہوں"۔

اسی طرح صاحب کا اطلاق ایسے شخص پر بھی ہوسکتا ہے جس کو انسان نہ جانتا ہو اور نہ ہی اس سے کبھی ملاقات ہوئی ہو، جیسے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انصار کے ان دو بچوں سے کہا تھا جو غزوہ بدر میں ابوجہل کو تلاش کررہے تھے تاکہ اس کو قتل کریں کیونکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا تھا ان دونوں سے حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کہا تھا "هذا صاحبكما الذي تسألان عنه" (یعنی یہی تمہارے وہ صاحب ہیں جن کے بارے میں تم دونوں پوچھ رہے تھے۔)(۱)

(۱) بحار الانوار ۱۹/ ۳۴۷

مذکورہ بالا تفصیلات کے مطابق صحبت کے لغوی مفہوم کو بالکل عام نہیں رکھا جائے گا، اس لئے کہ اگر "صحابی" کی تعریف لغوی مفہوم کے اعتبار سے مذکورہ مفہوم کے مطابق کی جائے گی تو پھر سب ہم بھی صحابہ کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے بلکہ یہود، منافقین، نصاری، مشرکین جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے وہ بدرجہ اولی اس فہرست میں شامل ہونے چاہئیں، کیونکہ لغوی مفہوم کے اعتبار سے لفظ صحابی میں استمرار کے ساتھ ملاقات یا ایمان باللہ اور اسی پر وفات کی شرط نہیں پائی جاتی ہے۔

تنبیہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے جب متکبرانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے اس کی گردن تن سے جدا کرنے کی اجازت دے دیجئے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا "دعه لا يتحدث الناس ان محمد يقتل أصحابه" (یعنی اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کہیں لوگ یہ باتیں نہ شروع کریں کہ محمد اپنے ہی اصحاب کو قتل کر رہے ہیں"۔(۱)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کے لئے صحابیت کا وصف بیان فرمایا، لیکن آپ نے اصطلاحی مفہوم کے بجائے لغوی مفہوم مراد لیا ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغت وحکمت اور عربوں کے ہاں متعارف لغت سے واقفیت کی ایک اہم دلیل

(۱) شرح اصول الکافی/ مولی محمد سالم مازندرانی ۱۲/ ۳۸۷) مزید دیکھئے الصحیح من السیرۃ/ سید جعفر مرتضی ۱۹۳/۶

سے لغوی مفہوم ہی مراد لیتے ہیں کہ کوئی ابہام نہیں پایا جاتا ہے، اور ایسے امور کی معیار پر ہے

۱- لغوی مفہوم کے ذریعہ ایمان و نفاق کے درمیان تفریق و امتیاز کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی متعین ضابطہ اور اصول نہیں ہے۔

۲- آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کرنے کی وجہ یہ تھی "حتی لا یتحدث الناس" (تاکہ لوگ باتیں نشر و شیوع کریں) الناس (لوگوں سے یہاں پر صحابہ کے مقابلہ میں پایا جانے والا اکثر وہ مراد ہے، اس لئے کہ قرآن پاک میں جب اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے تو "یا ایہا الذین آمنوا" کے ذریعہ ان کو مخاطب کیا گیا ہے اور جب کفار یا عام لوگوں (مومن و کافر) کو مخاطب کیا گیا ہے تو "یا ایہا الناس" کے ذریعہ خطاب کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ کفار سب سے زیادہ عداوت و دشمنی رکھنے والے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی عداوت پر طعن و تشنیع کرتے کے حریص رہتے تھے، لہذا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ابی بن سلول کو قتل کرنے کا حکم دے دیتے تو کفار یہ نہیں کہتے کہ آپ نے ایک ایسے منافق کو قتل کیا جو قتل کا مستحق تھا بلکہ یہ کہا جاتا کہ "محمد اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں"۔ یہ خبر پورے عرب میں پھیل جاتی اور کفار کا مقصود و مطلوب حاصل ہو جاتا، یعنی لوگوں کو اس دعوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رکھنے کا مقصد حاصل ہو جاتا۔ لفظ صحابی کے اس لغوی مفہوم کا سمجھنا کفار اور منافقین کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا، چہ جائے کہ مسلمانوں کے لئے، اس لئے کہ وہ اہل زبان، اس کے ماہرین اور اس کے پیچ و خم سے واقف تھے جو بھی انہی کے فہم کی اقتدا کرے گا اور ان کے نقش قدم پہ چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو بہت سے مشکل اور مبہم امور میں فہم صحیح اور رشد و راہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔

"صحابی" کی اصطلاحی تعریف

"صحابی" کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں مختلف تعریفی عبارتیں منقول ہیں، ان میں سب سے دقیق ترین، واضح ترین اور جامع ترین تعریف یہ ہے "من لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنا بہ ومات علی الاسلام" یعنی وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور اسلام کی حالت میں اسکی وفات ہوئی ہو۔

شہید ثانی (علامہ زین الدین بن نور الدین عاملی جبعی (ت ۹۶۵ھ) نے یہ تعریف کی ہے "صحابی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ پر ایمان رکھتے ہوئے ملاقات کی ہو اور اسلام کی حالت میں اس کی وفات ہوئی ہو، اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کرنے اور اسلام کی حالت میں وفات پانے کے درمیان ارتداد پایا جائے، صحیح قول یہی ہے، ملاقات میں اس قدر عمومیت پائی جاتی ہے کہ اس میں ایک ساتھ بیٹھنا، چلنا، ایک کا دوسرے کے پاس پہنچنا، اگرچہ اس سے بات نہ کی ہو یا اس کو دیکھا ہو، یہ سب مراد ہیں۔" (الرعایۃ ص ۳۳۹)

سابقہ تعریف کی وضاحت

☆ "جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں، چاہے آپ کو دیکھا ہو یا آپ کو دیکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو جیسے کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم، کیونکہ وہ نابینا تھے آپ سے انہوں نے ملاقات کی اور آپ کو نہیں دیکھا۔

اور اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمان ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن سے پہلے دیکھا تو ایسے شخص کو صحابی نہیں کہا جائے گا۔

☆ "ایمان کی حالت میں" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ پر نازل ہونے والے قرآن پر ایمان لانا شرط ہے لہذا اہل کتاب یا سابقین میں سے اگر کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حالت کفر میں ملاقات کی ہو، چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے اسلام قبول کیا ہو یا نہیں تو ایسا شخص صحابی نہیں کہلائے گا۔

☆ "اسلام کی حالت میں اس کی وفات ہوئی ہو" یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو ارتداد کی حالت میں مرا ہو تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ صحابی ہے، اس کو یہ مقام بلند نہیں حاصل ہوگا۔

خلاصہ کلام

زبان اور بیان کی جملہ اصطلاحات کے ساتھ تعامل کیسا ہونا چاہئے، سابقہ تفصیل سے اس کی وضاحت ہوتی ہے، اس طور پر کہ شرعی اصطلاحات کو معبرین فن کے فہم کے مطابق تفسیر بالرائے اور خواہش نفس سے بچتے ہوئے بیان کیا جائے۔ فہم صحیح کے اسی معیاری پہلو کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کو مدخل اساسی کی حیثیت سے اصل موضوع سے پہلے بیان کیا ہے، اصل موضوع "اولیاء الرسل کے بارے میں ثقلین (قرآن اور اہل بیت) کی ثنا خوانی" ہے۔

دوسرا باب

صحابہؓ کے بارے میں قرآن اور اہل بیتؑ کی ثنا خوانی

ہر مسلمان کے لئے اس بات پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا مقام و مرتبہ نہایت بلند ہے، وہ امتوں میں سب سے افضل تھے اور سب سے بہترین زمانہ انہی کا زمانہ ہے ایسا اس لئے ہے کیونکہ وہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ہیں، خاتم الانبیاء اور سید المرسلین کی صحبت، آپ کے ساتھ جہاد کرنے، شریعت مطہرہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کا شرف ان کو حاصل ہے۔

اسی طرح اس بات کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب فضل و مقام میں سب یکساں اور ایک ہی درجہ کے نہیں ہیں، بلکہ اسلام میں سبقت اور جہاد و ہجرت کی وجہ سے ان کے مراتب مختلف ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے تئیں جو قربانیاں انہوں نے پیش کیں ان کے اعتبار سے ان میں فرق مراتب پایا جاتا ہے۔

مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مہاجرین کا مقام انصار سے بلند، اہل بدر کا مقام اہل بیعت الرضوان سے بلند اور فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کا مقام دوسروں سے زیادہ بلند ہے، کیونکہ کتاب اللہ اور اہل بیت سے اسی طرح کی تفصیلات منقول ہیں، (ثقلین) کتاب اللہ اور اہل بیت سے محبت رکھنے کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے۔

کتاب اللہ اور اہل بیت نے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ ساتھ ان کی عدالت کی بھی گواہی دی ہے، ان کی تعریف وثناخوانی کے سلسلہ میں تواتر کے ساتھ روایات موجود ہیں، کیونکہ انہوں نے نہایت عمدہ کام انجام دیئے اور وہ اقوال میں بھی وصف سے ناطق تھے۔

اسی ثناخوانی اور تعریف وتوصیف کو بیان کرنا ہمارا اصل موضوع بحث ہے۔ مندرجہ ذیل ترتیب سے اس کو بیان کیا جائے گا

۱-صحابہ کرام کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثناخوانی۔

۲-خلفائے ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثناخوانی

۳-مہاجرین وانصار کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثناخوانی۔

۴-اہل بدر کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثناخوانی۔

۵-فتح مکہ سے پہلے انفاق کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کے بارے میں کتاب اللہ اور اہل بیت کی ثناخوانی۔

۱-صحابہ کرام کے بارے میں قرآن اور اہل بیت کی ثناخوانی

ایک وا: مسلمان جب قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اس میں غور وفکر اور تدبر کرتا ہے اس کو بہت سی آیات کریمہ ایسی ملیں گی جس میں صحابہ کرام کے فضائل ومناقب بیان کیے گئے ہیں، اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے ان کا انتخاب فرمایا ان کو چنا، ان کی عدالت کی گواہی دی ان کا تزکیہ فرمایا، اور فضیلت کے جملہ اوصاف ان کے حق میں بیان کیے۔

کتاب اللہ میں صحابہ کرام کی ثناخوانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء بينهم تراهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من أثر السجود، ذلك مثلهم في التوراة ومثلهم في الإنجيل كزرع أخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات منهم مغفرة وأجرا عظيما﴾ (الفتح ۲۹)

ترجمہ: ''محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں، تم جب دیکھو گے انہیں رکوع وسجدہ اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے، سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جس سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں، اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر

اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں، اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

شیخ محمد باقر ناصری اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"محمد رسول الله ... يبتغون فضلا من الله ورضوانا" یعنی اس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات اور اللہ کی رضا چاہتے ہیں۔ سيماهم ... "یعنی بروز قیامت ان کے علامت یہ ہے کہ ان کے سجدے کی جگہیں سب سے زیادہ نورانی ہوں گی، ذلك مثلهم ... یعنی خصوصیات یہاں ان کی بیان کی گئی ہیں یہی صفات تورات اور اسی طرح انجیل میں بھی بیان کی گئی ہیں ... فآزره یعنی وہ مضبوط ہوا اور یہ اس کے مضبوط ہونے میں معاون ہے جس کی وجہ سے تنا موٹا ہوا اور اپنی جڑوں پر کھڑا ہوا اور کمال تک پہنچ گیا۔ واحدی فرماتے ہیں یہ مثال اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے بارے میں بیان کی ہے، کھیتی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور کونپل سے آپ کے صحابہ اور مؤمنین مراد ہیں۔ وہ ابتدائی زمانہ میں کمزور اور کم تعداد میں تھے جیسے کہ شروع میں کھیتی کا حال ہوتا، اس کے بعد وہ ایک دوسرے کے ذریعہ مضبوط مستحکم ہوئے۔ ليغيظ بهم الكفار ... یعنی مؤمنین کی کثرت اور ان کا اتفاق ان کے لیے باعث غیظ و غضب بنا ہے۔(۱)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿والسابقون الأولون من المهاجرين

(۱) تفسیر مختصر مجمع البیان، مزید دیکھیے جامع الجوامع من وحی القرآن، سورۃ الفتح ۲۹

والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه﴾ (التوبہ ۱۰۰) ترجمہ "وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔"

شیخ امین الدین ابو علی طبرسی فرماتے ہیں۔

مذکورہ آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے قبلتین (دو قبلوں (مسجد اقصی اور مسجد حرام) کی جانب نماز ادا کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے وہ لوگ مراد ہیں جو بدر میں شریک رہے، اور "الانصار" سے اہل عقبہ اولی (جن کی تعداد بارہ تھی) اور اہل عقبہ ثانیہ (جن کی تعداد ستر تھی) اور وہ لوگ مراد ہیں کہ جب حضرت مصعب بن عمیر مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہوں نے ان کو قرآن کی تعلیم دی۔(۱)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

فتنہ پرور اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں کے ایک گروہ نے اس آیت کی صحیح اور واضح تفسیر کرنے کے بجائے اس کی غلط تاویل و تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ اس میں صحابہ کی تعریف وثنا توالی کی گئی ہے، لیکن وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس آیت میں عام صحابہ کی تعریف نہیں کی گئی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے "وعد الله ... "یعنی اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے"۔

(۱) تفسیر جامع الجوامع، مزید دیکھیے تفسیر من وحی القرآن، العیاشی (التوبہ ۱۰۰

اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے" والسابقون ......" یعنی" وہ مہاجر و انصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی"۔ لہذا منهم (ان میں سے) اور "من" کے الفاظ دونوں آیتوں میں استعمال کئے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض نہ کہ تمام صحابہ مراد ہیں۔

اس اعتراض کے جواب اور صحیح فہم کے لئے مندرجہ ذیل امور بیان کئے جارہے ہیں، جو قابل غور ہیں:

۱- اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن پاک میں آیات محکمات یعنی صریح آیات بیان فرمائی ہیں جن میں غلط تاویل وتفسیر کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جو بھی ان کی غلط تاویل کرنے کی کوشش کرے گا، اس کا یہ عمل ظاہر ہو جائے گا اور اس کا پاگل پن منکشف ہو جائے گا۔ جب کہ بعض آیات متشابہ ہیں، یعنی ایسی آیات جن کو سمجھنے میں بہت سے لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے، لہذا اس سلسلہ میں اہم اصول یہ ہے کہ متشابہ آیات کو محکم آیات کی روشنی میں سمجھا جائے، جو کوئی ایسا کرے گا، وہ ہدایت پا جائے گا اور جو اس کے برعکس کرے گا وہ معاملہ کو الٹ دے گا۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں "منهم" (ان میں سے) اور "من" تبعیض (بعض افراد کے لئے) نہیں ہے جیسے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے، بلکہ ان دونوں آیتوں میں دو معانی میں سے ایک معنی مراد ہیں

۱- پہلے معنی یہ ہیں کہ من یہاں پر جنسیہ (جنس بتانے کے لئے) ہے، یعنی جو ان کی جنس سے ہوگا، جیسے کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿ذلك ومن يعظم حرمات الله فهو خير له عند ربه، وأحلت لكم الأنعام إلا ما

يتلى عليكم فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور﴾ (الحج ۳۰) ترجمہ" یہ تھا (تعمیر کعبہ کا مقصد) اور جو بھی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اس کے رب کے نزدیک خود اسی کے لئے بہتر ہے، اور تمہارے لئے مویشی جانور حلال کئے گئے، ماسوا ان چیزوں کے جو تمہیں بتائی جا چکی ہے، پس بتوں کی گندگی سے بچو، جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو"۔

۲- دوسرے معنی یہ ہیں کہ "من" یہاں پر تاکید اور جنس کے لئے ہے

جیسے کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے ﴿وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظالمين إلا خسارا﴾ (الاسراء ۸۲) یعنی ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لئے تو شفا اور رحمت ہے، مگر ظالموں کے لئے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا"۔

کیا کوئی عقلمند اور دانا مسلمان ایسا ہو سکتا ہے جو اس آیت کا مطلب یہ سمجھے کہ بعض قرآن تو باعث شفا اور رحمت ہے اور بعض ایسا نہیں ہے؟

ہر مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اس آیت سے یہی سمجھتا ہے کہ قرآن پورے کا پورا شفاء اور رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس بات کو تاکیداً بیان فرمایا ہے کہ قرآن پورے کا پورا باعث شفا اور رحمت ہے۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ پچھلی آیت ﴿محمد رسول الله ......﴾ میں تمام صحابہ کی مدح وتعریف اور ثنا کی گئی ہے، اس میں کسی کی مذمت نو بیان نہیں کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سجود و رکوع اور اس کے لئے عاجزی و انکساری اختیار کرنے کے دوران ان کے ظاہر کا تزکیہ فرمایا ہے، اور اپنی اس قول ﴿يبتغون فضلا من الله

و رضوا عنہ کے ذریعہ ان کے باطن کا تزکیہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی مذمت بیان کرنا چاہتا ہے تو اس کے ظاہر و باطن کو بیان فرماتا ہے جیسے کہ منافقین کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ان المنافقین یخادعون اللہ وھو خادعھم واذا قاموا الی الصلاۃ قاموا کسالی یراؤن الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا﴾ (النساء ۱۴۲)

ترجمہ "منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے جب یہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ دونوں آیتوں میں تحسین یا تاکید کے لئے ہے، تخصیص کے لئے کسی بھی صورت میں نہیں ہو سکتا ہے۔

صحابۂ کرام کے بارے میں اہل بیت کی تعریف وثناخوانی

قرآن کریم میں اس عظیم الشان تعریف و توصیف اور ثناخوانی کی وجہ سے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بشارت و خوشخبری سنائی جس نے صحابۂ کرام سے ملاقات کی، یا ان میں سے کسی کو دیکھا ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "طوبی لمن رآنی وطوبی لمن رای من رآنی وطوبی لمن رای من رای من رآنی، یعنی خوشخبری ہے ایسے شخص کے لئے جس نے مجھے (صحابی) دیکھا، اور خوشخبری ہے ایسے شخص کے لئے جس نے اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھا (تابعی)، اور خوشخبری ہے ایسے شخص کے لئے جس نے اس کو دیکھا جس نے مجھے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا (تبع تابعی)" (۱)

اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے درجات مزید بلند فرمائے، وہ اپنے ساتھ رہنے والے اصحاب کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے جب انہوں نے اہل کوفہ کا تجربہ کیا اور دیکھا کہ انہوں نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو یاد کرتے ہوئے اور ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا "بلاشبہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ان کے مشابہ ہو، وہ سب پراگندہ بال اور پراگندہ حال ہونے کی حالت میں دن گذارتے جب کہ قیام و سجود کی حالت میں رات گذر چکی ہوتی تھی، پیشانیوں کے بل سجدہ

(۱) امالی الصدوق (ص ۴۰۰) امالی الطوسی ص ۴۴۰، الخصال ۲/۶۴۳، بحار الانوار ۲۲/۳۰۵

ریز رہتے تھے، آخرت کے استحضار کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کہ وہ آگ کے انگارے پر ہوں، کثرت سجود کی وجہ سے ایسا لگتا تھا گویا کہ ان کی پیشانیوں میں کوئی سخت چیز ہو دی گئی ہو جب اللہ کا ذکر کیا جاتا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کے سینے بھی تر ہو جاتے اور عاجزی و انکساری کی وجہ سے ایسے ہو جاتے جیسے کہ تحت آندھی میں کسی درخت کی حالت ہوتی ہے اور ایسا سزا کے خوف اور ثواب کی امید ورجائیں ہوتا تھا"۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا اور اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال اور دشمنوں کے سامنے ان سب کی جوانمردی اور پامردی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو اپنے (کافر) آباء کو، بیٹوں کو بھائیوں کو اور اپنے چچاؤں کو قتل کرتے تھے، اس کے ذریعہ ہمارے ایمان اور تسلیم ورضا میں اضافہ ہوتا تھا، مجاہدہ کی قوت بڑھ جاتی تھی، تکلیف و پریشانی برداشت کرنے کا حوصلہ بڑھتا تھا اور دشمن کو زیر کرنے کا جذبہ دوبالا ہو جاتا تھا، ہم اور ہمارے دشمنوں کے دو لوگ ایک دوسرے پر شیروں کی طرح حملہ کرتے تھے، ان میں سے ہر ایک موقع کی تلاش میں رہتا تھا کہ ان میں سے کون دوسرے کو موت کا جام پلا دے، کبھی ہم دشمن کو نقصان پہنچاتے تھے اور کبھی وہ ہم سے بدلہ لیتے تھے، جب اللہ تعالی نے ہمارے صدق وصفا کو جانچ لیا تو دشمن کو رسوا کیا اور ہمیں اپنی مدد سے نوازا، یہاں تک کہ اسلام چہار دانگ عالم میں مضبوط اور مستحکم ہو گیا اور اس نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں، اللہ کی قسم! اگر ہم بھی وہی کام کرتے جو تم لوگ

(۱) نہج البلاغہ ص ۱۴۳ مزید دیکھیے الکافی ۲/۲۳۶، بحار الانوار ۶۶/۳۰۷

کر رہے ہو تو دین کا استحکام نصیب نہیں ہو پاتا اور نہ ہی ایمان کی باد بہاری چلتی، اللہ کی قسم! آپ کو (اپنے اعمال کے نتیجے میں) خون کے آنسو بہاتے پڑیں گے اور ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا"۔(۱)

اسی خوبصورت انداز میں اور بہترین طریقہ پر تمام اہل بیت اپنے جد امجد امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب (علیہ السلام) کے رفقاء کی تعریف و توصیف کرتے رہے۔

امام علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام نماز میں اپنے نانا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لئے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں

"اے اللہ! اصحاب محمد پر خاص طور پر رحم فرما، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت اچھی طرح ساتھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے میں بہترین کردار ادا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور آپ کی مدد لینے کے لیے تیزی سے لپکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کی دلیل ان کے سامنے واضح کر دی انہوں نے آپ کی بات کو قبول کر لی اسلام کا کلمہ بلند کرنے کے لئے انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو داغ مفارقت دے دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے اپنے آباء و ابناء سے جنگ کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کے ذریعہ ان کو فتح وغلبہ حاصل ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ومودت کی

(۱) نہج البلاغہ ص ۹۱ خطبہ ۹۱، بحار ۳۲/۵۴۹

وجہ سے وہ نہ ختم ہونے والی تجارت کے امیدوار ہے۔ اس کو ان کے قبیلہ والوں نے اس وقت چھوڑ دیا جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے تو تمام قرابتیں اور رشتہ داریاں چھوٹ گئیں، لہذا اے اللہ اس کو آپ کے لئے اور آپ کے راستے میں جو چیزیں ترک کرنی پڑیں، اس کو مت بھولنا، اے اللہ ان کو اپنی رضا کے ذریعہ راضی کر دے، انہوں نے تیرے لئے مخلوق سے جنگ مول لی تیرے رسول کے ساتھ یہ آپ کے لئے آپ کی طرف بلانے والے تھے، انہوں نے اپنی قوم کے علاقوں کو آپ کے لئے چھوڑ دیا، خوشحالی سے نکل کر تنگدستی کو ترجیح دی، اے اللہ! اس کو ان کے حق میں قبول فرما، اے اللہ! ان سب کی احسان کے ساتھ اتباع کرنے والوں کو بہترین جزا عطا فرما۔ جو کہتے رہتے ہیں اے ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ایمان میں ہم سے سبقت کر گئے (الحشر ۱۰) جو انہی کے نقش قدم پر چلے، انہی کا اسوہ رخ کیا اور انہی کے طریقہ پر چلتے رہے، شک اور تذبذب ان کی بصیرت کو نہ روک سکا، اور ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے منارۂ نور کی طرف چلنے میں ان کے اندر کوئی خلجان پیدا نہیں ہوا۔ ان کی نصرت و مدد کرتے رہے، انہی کے دین کو اختیار کیا، انہی کے راستے پر چلے، ان سب کے (مقام بلند) کے بارے میں ان سب کا اتفاق ہے، اور انہوں نے جو کچھ ان تک پہنچایا اس کے بارے میں ان پر کوئی الزام نہیں لگاتے ہیں، اے اللہ! قیامت تک ان کی اتباع کرنے والوں پر رحم فرما، ان کی ازواج پر، ان کی اولاد پر، اور ان سب پر جو تیری اطاعت کرتے ہیں، ایسی رحمت جو ان کے لئے تیری معصیت و نافرمانی سے بچنے کا سبب ہے، جنت کے باغیچوں میں ان کے لئے کشادگی کا باعث بنے اور ان کو شیطان کی چالوں سے محفوظ رکھے"۔ (الصحیفة السجادیة ص ۴۲)

امام صادق اپنے آباء سے اور وہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں تم کو تمہارے نبی کے اصحاب کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، ان کو گالی مت دینا، انہوں نے آپؐ کے بعد کوئی نئی بات نہیں پیدا کی، اور نہ ہی کسی نئی بات کو قبول کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی ہے"۔ (۱)

یہ ایک معروف و معلوم بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تمام اہل زمین کے لئے باعث خیر ہے، اسی طرح آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہ بھی، کیونکہ وہ بھی نہایت عظمت والے اور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں اہتمام و التزام کرنے کی وجہ سے مقام بلند کے حامل تھے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے امت کے حق میں ان کی دعا کو بھی شرف قبولیت عطا فرمایا۔

حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میں اپنے اصحاب کے لئے باعث امن و حفاظت ہوں، جب میری روح قبض کی جائے گی تو وہ چیز میرے اصحاب کے قریب آ جائے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے اصحاب میری امت کے حق میں باعث امن و حفاظت ہیں، یعنی میرے اصحاب اٹھا لئے جائیں گے تو وہ ہر چیز میری امت کے قریب آ جائے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، یہ دین اس وقت تک تمام ادیان پر غالب رہے گا جب تک میرا دیدار کرنے والے لوگ تمہارے درمیان موجود رہیں گے"۔ (۲)

موسیٰ بن جعفر علیہ السلام اپنے آباء (علیہم السلام) سے نقل کرتے ہوئے

(۱) بحار الانوار ۲۲/ ۳۰۵ (۲) بحار الانوار ۲۲/ ۳۰۹ اور دیکھئے نوادر الراوندی ص ۲۳

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہترین صدیاں تو چار ہیں، میں ان میں سے افضل ترین صدی میں ہوں، اس کے بعد دوسری اور پھر تیسری صدی، پھر جب چوتھی صدی ہوگی تو مرد مردوں کے ساتھ مل جائیں گے اور عورتیں عورتوں کے ساتھ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ بنی آدم کے دلوں سے اپنی کتاب اٹھالے گا، اور ایک گھنا ٹوپ ہوا چلائے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں بچے گا، اللہ تعالیٰ سب کو اپنی طرف بلالے گا"۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد آپ کا خلیفہ بننے والے کے لئے خیر اور رحمت کی دعا فرمائی، اپنی طرف سے کسی کو امامت کے لئے متعین کئے بغیر، آپؐ نے آپؐ کے جانشین بننے والے کی صفت یہ بتائی کہ وہ آپؐ کے راستہ پر چلے گا تاکہ اس کے ذریعہ صحابہ کرام کے منتخب کردہ شخص کے بارے میں ان کا اتفاق واجماع ثابت ہو۔

امام رضا علیہ السلام سے اپنے آباء کے واسطے منقول ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے اللہ! میرے خلفاء (جانشینوں) پر رحم فرما، آپؐ نے تین مرتبہ یہی دعا فرمائی۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا: آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ فرمایا جو میرے بعد آئیں گے اور میری احادیث وسنن کو بیان کریں گے اور میرے بعد لوگوں تک ان کو پہنچائیں گے"۔(۲)

صحابہ کرام کے اسی عظیم الشان مقام ومرتبہ کی وجہ سے اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے صحابہ کے اس گروہ کو دیکھنے کی تمنا کی جنہوں نے اس عظیم فضل وکمال کو حاصل کیا۔

(۱) بحار الانوار ۲۲/۳۰۹ (۲) بحار الانوار: ۲/۱۴۴

امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے فرماتے ہیں "جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران کو مبعوث فرمایا اور ان کو ہمکلامی کے لئے منتخب فرمایا ان کے لئے سمندر میں راستہ بنا کر بنی اسرائیل کو نجات دی اور ان کو تورات عطا کی تو ان کو اللہ کے نزدیک اپنے مقام ومرتبہ کا احساس ہوا، چنانچہ انہوں نے کہا اے میرے رب اگر آل محمد کا مقام ومرتبہ یہ ہے تو کیا انبیاء کے صحابہ میں آپ کے نزدیک میرے صحابہ سے زیادہ اور دوسرے صحابہ مقرب ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اے موسیٰ! کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا مقام ومرتبہ تمام انبیاء کے اصحاب کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جیسے کہ آل محمد کی فضیلت تمام انبیاء کے گھر والوں پر اور محمد کی فضیلت تمام انبیاء پر ہے، موسیٰ نے کہا اے میرے رب کاش میں ان کو دیکھ لیتا! اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی اے موسیٰ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے ہو، یہ ان کے ظہور کا وقت نہیں ہے، البتہ جنت عدن اور جنت فردوس میں ان کو محمدؐ کے ساتھ دیکھ لوگے، جب کہ وہ جنت کی نعمتوں میں مزے کر رہے ہوں گے اور ان کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے"۔(۱)

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر کوئی پوچھنے والا سوال کرے "اہل بیت کے ذریعہ اتنی تعریف وثنا صحابہ کرام کی کیونکر کی گئی اور اتنے بلند مراتب ان کو کیسے حاصل ہوئے؟

اس سوال کا جواب ان بہت سی روایات میں موجود ہے جو اہل بیت نبی سے منقول ہیں، جن سے صحابہ کرام کے اخلاق وآداب اور ان کے دلوں میں نبی کریم صلی

(۱) بحار الانوار ۱۳/۳۴۰، تفسیر امام العسکری ص ۳۱، دلائل الامامۃ ص ۱۵

اللہ علیہ وسلم کی توقیر و حرمت کا بھی پتہ چلتا ہے اور آپ سے بہت زیادہ محبت کرنے پر بھی دلالت کرتی ہیں مثلاً

علامہ مجلسی نے "بحار" میں قاضی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و توقیر کے سلسلہ میں صحابہ کا طرز عمل حضرت اسامہ بن شریک کے واسطے سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ کے اصحاب آپؐ کے اردگرد ایسے جمع تھے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہوں"۔(۱)

حضرت عروہ بن مسعود کو جب قریش کے لوگوں نے حدیبیہ کے سال محمدؐ کے پاس بھیجا تو انہوں نے صحابہ کرام کو محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ جب آپؐ وضو کرتے تھے تو آپؐ کے وضو کے پانی پر وہ لپکتے اور ٹوٹ پڑتے تھے اور آپؐ کے لعاب دہن کو اپنے ہاتھوں کے ذریعہ لیتے اور اپنے چہروں اور جسم پر اس کو ملتے، کوئی بھی بال زمین پر نہیں گرنے پاتا تھا اس کو پہلے ہی لے لیتے تھے، اور جب ان کو کوئی حکم دیتے تو اس کی تعمیل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، اور جب آپؐ گفتگو فرماتے تو ان پر خاموشی چھا جاتی اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپؐ سے آنکھیں ملا کر بات نہیں کرتے تھے، جب یہ (عروہ بن مسعود) قریش کے پاس واپس آئے تو ان سے کہا اے قریش کے لوگو! میں کسریٰ کے دربار میں گیا ہوں، قیصر کے دربار میں بھی گیا ہوں اور نجاشی کے دربار میں بھی گیا ہوں، خدا کی قسم! میں نے کبھی کسی بادشاہ کو اس کے اصحاب کے درمیان اس طرح نہیں دیکھا ہے جس طرح کہ محمدؐ (ان) کے اصحاب کے ساتھ دیکھا ہے"(۲)

(۱) بحار الانوار ۱۷/۳۲ (۲) (بحار الانوار ۱۷/۳۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا جب کہ حلاق آپ کے بال کاٹ رہا تھا، تمام صحابہ آپؐ کے چاروں طرف تھے، آپ کا ہر بال کسی شخص کے ہاتھ میں ہی گرتا تھا"۔(۱)

ایک دوسری روایت میں ہے "میں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکڑوں بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ کے رعب اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے میں کانپنے لگا"۔(۲)

حضرت مغیرہؓ کی روایت کردہ حدیث میں ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کا دروازہ ناخنوں کے ذریعہ کھٹکھٹاتے تھے"۔(۳)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا تھا تو آپ کے رعب کی وجہ سے میں کئی سال تک اس کو ٹالتا رہتا تھا (اس کے بعد فرماتے ہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا احترام اور آپ کی توقیر و تعظیم ویسے ہی ضروری ہے جیسے کہ آپ کی حیات میں ضروری تھی، آپ کا ذکر آنے کے وقت، آپ کی احادیث وسنن کے تذکرہ کے وقت، آپ کی سیرت سنتے وقت اور آپ کی آل واولاد کے ساتھ معاملہ کرنے کے وقت، اسی طرح آپ کے اہل بیت اور آپ کے صحابہ کی تعظیم بھی ضروری ہے"۔(۴)

قارئین کرام! کیا اس طرح کے ادب و توقیر کے بارے میں آپ کے کانوں نے سنا ہے؟ یا آپ کی آنکھوں نے دیکھا ہے؟ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی محبت کرنے کے کیا ہی اصح و اکمل ہیں!

(۱) بحار الانوار ۱۷/۳۲ (۲) ایضاً
(۳) ایضاً (۴) ایضاً

۲-خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ثقلین کی تعریف وثنا خوانی

عمومی طور پر تمام صحابہ کرام کے بارے میں مذکور مدح وثنا کے اقوال معلوم ہونے کے بعد ان میں سے خاص طور پر پہلے تین خلفائے راشدین کے بارے میں تفصیلات نقل کی جارہی ہیں۔

کتاب اللہ میں بھی اور اہل بیت کی جانب سے بھی ان خلفائے ثلاثہ کی خاص طور پر مدح وتعریف اور ثنا خوانی کی گئی ہے، کیونکہ کتاب اللہ میں جہاں پر بھی صحابہ کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے تو خلفائے ثلاثہ بدرجۂ اولیٰ اس میں شامل ہیں اور جہاں تک اہل بیت کا تعلق ہے تو ان کے ذریعہ خلفائے ثلاثہ کی خوب مدح وتعریف کی گئی ہے کیونکہ وہ چند ایسے خصائص واوصاف سے متصف تھے جن میں وہ منفرد وممتاز تھے اور اس لئے بھی کیونکہ ان کے درمیان اور اہل بیت کے مابین ایسا مضبوط تعلق تھا جو اظہر من الشمس ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ سے نکاح فرمایا، یہ دونوں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی صاحبزادیاں تھیں، بلکہ کسی بھی ہاشمی خاتون سے آپؐ نے نکاح نہیں فرمایا، حالانکہ گیارہ ازواج آپ کی زوجیت میں آئیں، آپؐ نے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان بن عفان سے کیا۔(۱)

اسی طرح حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کو حضرت عمر بن الخطاب

(۱) دیکھئے بحار الانوار ۲۲/۲۰۲ اعلام الوریٰ ص ۱۴۶

کے عقد میں دیا، اور اپنی اولاد کو ان کے ناموں سے موسوم کیا۔(۱)

اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت کے مابین کیسے بہترین تعلقات تھے اور انکے درمیان محبت، الفت اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا کتنا جذبہ پایا جاتا تھا، اس شخص کے لئے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے جس کا دل درست ہو، اس کی نگاہوں سے تعصب کا پردہ ہٹا ہوا ہو، اور وہ کتب تاریخ میں اس طرح کے حقائق کو تلاش کرے۔

یہاں پر میں صرف ان روایات کو ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جن کو علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور وہ اس مدح وثنا پر دلالت کرتی ہیں۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں "خدا کی قسم اسلام میں ان دونوں (شیخین) کا مقام ومرتبہ نہایت بلند ہے، اسلام لانے کے بعد ان کے بارے میں جرح کرنا سخت خطرناک ہے اللہ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان کے اعمال کا ان دونوں کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔"(۲)

اسی طرح حضرت علیؓ نے خلفائے ثلاثہ اور ان کو منتخب کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا

"بلاشبہ مجھ سے ان لوگوں نے بیعت کی ہے جنہوں نے ابوبکر وعمر وعثمان سے ان چیزوں پر بیعت کی ہے جن چیزوں کی انہوں نے ان سے بیعت کی۔ کسی بھی موجود شخص کے لئے (انفرادی طور پر) انتخاب کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا اور نہ ہی غائب شخص کے لئے

(۱) دیکھئے الکافی ۶/۱۱۵، مرآۃ العقول ۲۱/۱۹۹،

(۲) دیکھئے وقعۃ صفین ص ۸۸ شرح نہج البلاغہ ۱۵/۷۶

ٹھکرانے کی کوئی گنجائش تھی، بلاشبہ شوری کا حق مہاجرین وانصار سب کو حاصل تھا اگر اس سے کسی شخص کے بارے میں اتفاق کیا اور اس کو امام قرار دیا تو یہ اللہ کی رضا کے لئے تھا، اگر کسی جرم کی وجہ سے یا بدعت کی وجہ سے ان کی جماعت سے کوئی نکل گیا تو اس کو صحیح راہ پر لانے کی کوشش کرتے اگر وہ نہ مانتا تو راہ حق پر لانے کے لئے اس سے قتال کرتے"۔(۱)

حضرت علی حضرت عمر بن خطاب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں "فلاں سے کیا خوب کام کیا! بلاشبہ انہوں نے کجی کو درست کر دیا، مرض کا علاج کیا، سنت کو قائم کیا، اپنے رستہ میں فتنوں کو سونے دیا اور دنیا سے صاف وشفاف اور بے عیب ہو کر چل بسے، خیر کو حاصل کیا اور شر سے بہت دور رہے، اللہ کی اطاعت کی اور پوری طرح اس کا تقوی اختیار کیا"۔(۲)

اسی طرح حضرت عمر بن خطاب سے ان کی حیات میں ہی فرمایا جب کہ لوگوں نے ان سے روم پر حملہ کرنے کے لئے نکلنے کے بارے میں مشورہ کیا "جب آپ بنفس نفیس دشمن کی طرف نکلیں گے اس سے مڈبھیڑ ہوگی تو آپ کو نقصان پہنچ سکتا ہے مسلمانوں کے لئے ان کے ملک میں کوئی پناہ گاہ نہیں بچے گی۔ کیونکہ آپ کے بعد کوئی ایسا مرجع نہیں ہے جس کی طرف وہ رجوع کر سکیں، لہذا آپ کسی تجربہ کار شخص کو ان کے ساتھ روانہ کیجئے اور اس کے ساتھ بہادر اور مخلص لوگوں کو بھیجئے، اگر اللہ تعالی غلبہ عطا فرمائے گا تو یہی وہ چیز ہے جس کو آپ چاہتے ہیں اور اگر اس کے برعکس اور کوئی چیز ہوئی تو آپ لوگوں کے لئے پناہ گاہ اور مسلمانوں کے لئے مرجع کی حیثیت سے رہیں گے"۔(۳)

اہل بیت کی طرف سے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی عزت، تو قرآن کی

(۱) نہج البلاغہ ص ۳۶۷ [illegible] ۷۶ (۲) نہج البلاغہ ص ۳۵۰
(۳) نہج البلاغہ ص ۱۹۲ [illegible] ۱۳۵/۳۱

وفات کے بعد بھی جاری رہی، وہ ان کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتے رہے اور ان دونوں نے جن چیزوں کا حکم دیا تھا ان میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں کی بلکہ ان کے علوم وفقہ کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے رہے، اس کی دلیل حضرت علی کا وہ قول ہے جب کہ ان سے فدک کا مال واپس کرنے کے لئے کہا گیا - اس وقت وہ خلیفہ تھے - فرمایا "مجھے اللہ تعالی سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں ایسی چیز واپس لوں جس سے ابوبکر نے منع کیا اور عمر نے بھی اس کو ویسے ہی جاری رکھا"۔(۱)

امام محمد باقر نے بھی اپنے متبعین کو ویسے ہی عمل کرنے پر ابھارا جیسے کہ حضرت علی عمل کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ حضرت ابوبکر صدیق کی اقتدا کرتے تھے، جب امام محمد باقر سے تلوار کو سونے چاندی سے مزین کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ہاں، ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کو چاندی کے ذریعہ مزین کیا! (سائل نے) پوچھا کیا آپ ان کو صدیق کہہ رہے ہیں؟ امام باقر اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہا ہاں صدیق، ہاں صدیق، جو ان کو "صدیق" نہیں کہے گا اللہ دنیا اور آخرت میں اس کے قول کی تصدیق نہیں کرے گا۔ (۲)

لہذا اہل بیت - جو نبی ﷺ سے سب سے زیادہ قریب تھے - انہوں نے اس چیز کو نہیں چھوڑا جس پر ان دونوں نے عمل کیا اور نہ ہی اس سے وہ چیز افضل ہو سکی جو انہوں نے اپنی زندگی میں اپنائی، کیا ہمارے لئے ان کی شہادت و گواہی اور ان لوگوں کے بارے میں ان کی رائے کافی وشافی نہیں ہے تا ہم ان کے طریقہ اور اقوال کے علاوہ دوسرے کسی طریقے کے خواہش مند ہیں؟؟

(۱) شرح نہج البلاغہ ۲۵۲/۱۶ (۲) کشف الغمہ ۱۴۷/۲

۳۔ مہاجرین وانصار کے بارے میں ثقلین کی تعریف وثنا خوانی

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین وانصار کو تمام صحابہ کے مقابلہ میں فضیلت سے نوازا ہے اور یہ فضیلت اس لئے دی ہے کیونکہ مہاجرین نے ہجرت ونصرت دونوں فضیلتوں کو جمع کیا، انہوں نے اپنے اہل وعیال اور اپنے وطن کو خیر باد کیا اور ایک ایسی جگہ ہجرت کر کے چلے گئے جہاں وہ اجنبی تھے اور اس میں ان کا مقصد ومطلوب صرف اللہ کی رضا، اجر وثواب اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد تھا۔

جہاں تک انصار کا تعلق ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ان کے شہر میں پہونچے، وہاں انہوں نے آپ کی مدد کی، اپنے مال، یہاں تک کہ اپنی ازواج کو اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تقسیم کردیا۔

ثقلین (کتاب اللہ اور اہل بیت) نے ان کی فضیلت اور ان کے بارے میں اللہ کی رضامندی کی شہادت دی ہے، بہت سی آیات قرآن پاک میں موجود ہیں جن میں صحابہ کرام کا حال بیان کیا گیا ہے اور ان کے عظیم الشان عمل کو سراہا گیا ہے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اعلان کیا گیا ہے، اسی طرح اہل بیت کے ائمہ کی مختلف عبارتیں بھی ان آیات کی تشریح وتوضیح کے سلسلہ میں منقول ہیں۔

مہاجرین وانصار کے بارے میں قرآن کریم کی تعریف وثنا خوانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے "للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله أولئك هم الصادقون. والذين تبوؤ الدار والإيمان من قبلهم يحبون من هاجر إليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون" (الحشر ۸-۹)

ترجمہ (وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکال باہر کئے گئے ہیں یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت پر کمر بستہ رہتے ہیں، یہی راستباز لوگ ہیں۔ (اور وہ ان لوگوں کے لئے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لاکر دار الہجرت میں مقیم تھے، یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچالئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

شیخ محمد باقر ناصری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔

"للفقراء المهاجرين" یعنی مکہ اور دوسرے علاقوں سے ہجرت کر کے آنے والے" جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے کال باہر کئے گئے ہیں" وہ آئے ہیں

طلب کرتے ہوئے'' اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی'' یعنی مدینہ منورہ جہاں انصار مہاجرین سے پہلے مقیم تھے، یا مہاجرین سے پہلے ایمان لانے والے مراد ہیں اور وہ لیلۃ العقبہ میں موجود ستر صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہر دشمن سے جنگ کرنے پر بیعت کی، '' یحبون من ھاجر الیھم '' انہوں نے مہاجرین کے ساتھ احسان کیا ان کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور اپنے مال میں ان کو شریک کیا اور جو قبضہ سے حاصل شدہ مال غنیمت میں سے زائد حصہ مہاجرین کو دیا گیا اس کے بارے میں ان کے دلوں میں کوئی حسد نہ جلن، '' ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ '' یعنی اپنے فقر اور ضرورت کے باوجود ایثار سے کام لیتے ہیں،'' ومن یوق شح نفسہ '' یعنی جو اپنے نفس کے بخل کو دور کرے گا، '' فاولٰئک ھم المفلحون '' یعنی یہی لوگ کامیاب ہیں اور اللہ کے ثواب کو حاصل کرنے والے ہیں۔''(۱)

شیخ محمد النسیب دارین حمصی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

'للفقراء المھاجرین ' یعنی جنہوں نے مکہ چھوڑا اور مدینہ کا قصد کیا جہاں ان کے نبی نے ہجرت کی اور دارالحرب سے دارالاسلام آئے اور وہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکال باہر کیے گئے'' جو ان کی ملکیت میں تھے '' یبتغون '' یعنی وہ طلب کرتے ہیں ' فضلا من اللہ ورضوانا ' اللہ کے فضل، اس کی رضا اور اس کی رحمت کے خواہشمند ہیں۔ ' وینصرون اللہ ' یعنی وہ اللہ کے دین کی نصرت حمایت کے لئے ہجرت کرتے ہیں، ' ورسولہ ' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے مقابلہ

(۱) تفسیر مختصر مجمع البیان مزید دیکھے تفسیر انکاسف سورۃ الحشر ۸-۱۰

میں قوت بہم پہونچاتے ہیں،'' اولٰئک ھم الصادقون ' یعنی عملی طور پر اس لئے کہ انہوں نے دین کی مدد کی اور اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا، جب اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ اور دوسرے مہاجرین کی تعریف کی، اس کے بعد اہل مدینہ کے انصار کی تعریف کی، اس لئے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں، وہ راضی تھے کیونکہ اس کو صرف ضرورتمند مہاجرین میں تقسیم کیا گیا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا '' والذین تبوؤا الدار '' یعنی وہ مدینہ میں مقیم رہے جو دار الہجرت ہے جہاں انصار مہاجرین سے پہلے مقیم تھے۔ '' والایمان '' ۔کیونکہ مہاجرین سے پہلے وہ ایمان نہیں لائے، سوائے چند لوگوں کے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کرنے کے بعد ایمان لائے۔

' الدار ' پر ' ایمان ' کا عطف یہ عطف ظاہری ہے نہ کہ معنوی، کیونکہ ایمان کا ٹھکانہ نہیں بنایا جاتا ہے، انہوں نے کفر کے مقابلہ میں ایمان کو ترجیح دی، '' ان سے پہلے '' یعنی ان کے پاس مہاجرین کے آنے سے پہلے، جب کہ انہوں نے ان کے ساتھ ان کو شریک کیا، ' ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا '' یعنی ان کے دلوں میں کوئی جلن، کوئی غصہ اور حسد نہیں ہے اس وجہ سے کہ مہاجرین کو مو قبضہ سے حاصل شدہ مال غنیمت ملا، بلکہ اس پر اس کے دل مطمئن تھے اور ' وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں '' یعنی مہاجرین کو پیش پیش رکھتے ہیں، اور نفع میں اپنے مقابلہ میں ان کو فضیلت و ترجیح دیتے ہیں ' ولو کان بھم خصاصۃ '' یعنی اگر چہ وہ ذات خود ضرورتمند اور محتاج ہوں، ایسا وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ شفقت کی وجہ سے اور اخروی ثواب کی طلب میں کرتے ہیں، '' ومن یوق شح نفسہ '' یعنی اللہ کے ثواب کو حاصل کرنے والے، اس کی جنت و انعامات سے لطف اندوز ہونے والے '' ۔(تفسیر الھدیہ، سورۃ الحشر ۹-۱۰)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"والذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله والذين آووا ونصروا أولئك هم المؤمنون حقا لهم مغفرة ورزق كريم، والذين آمنوا من بعد وهاجروا وجاهدوا معكم فأولئك منكم وأولوا الأرحام بعضهم أولى ببعض في كتاب الله إن الله بكل شيء عليم" (الأنفال ۷۴-۷۵)

ترجمہ "جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے، اور جہاد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، وہی سچے مومن ہیں، ان کے لئے خطاؤں سے درگذر ہے اور بہترین رزق ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آگئے اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں، مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے"۔

شیخ محمد نسیب رفاعی لکھتے ہیں

"والذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا" یعنی جنہوں نے ان چیزوں کے بارے میں اللہ کے رسول کی تصدیق کی جو وہ اللہ کے پاس سے لے کر آئے، اور انہوں نے اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر یقین کیا، اپنے دین کی حفاظت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے گھروں کو چھوڑا اور آپؐ کے ساتھ رہتے ہوئے اللہ کے دین اور اس کی شریعت کی نصرت کے لیے جہاد کیا۔ "أولئك هم المؤمنون حقا" یعنی یہی حقاً قولاً اور عملاً تصدیق کرنے والے ہیں، انہوں نے ایمان کو ثابت کر کے دکھایا، یہاں تک کہ یہ دلیل قائم کر دی کہ یہی حقیقی ایمان ہے، لہٰذا ایسے لوگ "لهم مغفرة ورزق كريم" یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت تیار کر رکھی ہے، ان کی لغزشوں

سے تجاوز کرتے ہوئے اور رزق کریم بھی، عظیم الشان اور وافر مقدار میں، کوئی بھی چیز اس کو ختم نہیں کر سکتی ہے۔ "والذين آمنوا من بعد" یعنی جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمہارے ایمان لانے کے بعد ایمان لائے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب تمہاری پہلی ہجرت کے بعد ہجرت کی" "اور تمہارے ساتھ جہاد کیا" تمہاری طرف سے کفار و مشرکین سے قتال کیا "فأولئك منكم" یعنی وہ تمہارے ہی گروہ میں سے ہیں، ایمان و ہجرت کے اعتبار سے جہاد کے اعتبار سے، موالات، میراث اور نصرت کے احکام کے اعتبار سے، اگرچہ وہ بعد میں ایمان لائے اور بعد میں ہجرت کی"۔(۱)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"الذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله بأموالهم وأنفسهم أعظم درجة عند الله وأولئك هم الفائزون" (توبہ ۲۰)

ترجمہ اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا وہی کامیاب ہیں۔

سید محمد حسین فضل اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"الذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا" جو ایمان لائے ہجرت کی اور جہاد کیا اور ہجرت کی وجہ سے وہ پریشانیاں برداشت کیں جو انہوں نے برداشت کیں اور اپنے وطن کی طرف ہجرت کی جہاں دعوت و جہاد کی آزادی تھی، اور وہ اس وقت سے دوچار ہوئے جو دین

(۱) تفسیر الجدید، مزید دیکھئے الصافی، الوجیز، تقریب القرآن سورہ انفال ۷۴

لئے، (تو انہوں نے فوراً تعمیل کی) لاکفرن عنهم میں مٹادوں گا ولادخلنهم جنات تجری من تحتها الأنهار ثوابا من عند الله "جس کے، وہ اللہ کی طرف سے مستحق ہوں گے "والله عنده حسن الثواب" یعنی تمام اعمال پر بہترین بدلہ دے۔ اللہ ہے اس کے علاوہ اور کوئی اس کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ (تفسیر قمی، سورۃ آل عمران ۱۹۵)

لہذا اہل بیت سے محبت کرنے والے قارئین کرام! جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس پر غور و فکر کیجئے، اگرچہ یہ بہت معمولی ہے اس کے مقابلہ میں جو کہ صحابہ کرام کے بارے میں بہت کچھ منقول ہے۔

مہاجرین و انصار کے بارے میں نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- اور اہل بیت کی تعریف و ثنا خوانی

اہل بیت سے صحابہ کرام کے بارے میں صحیح ترین روایات منقول ہیں جو مہاجرین و انصار کی فضیلت پر روشنی ڈالتی ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل سطور میں نقل کی جارہی ہیں

حضرت جریر بن عبداللہ نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- سے روایت کرتے ہیں کہ آپ -صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا "مہاجرین و انصار دنیا اور آخرت میں ایک دوسرے کے اولیاء ہیں، اور قریش کے طلقاء (وہ لوگ مراد ہیں جن کو فتح مکہ پر عام معافی دے دی گئی تھی) اور ثقیف کے آزاد کردہ لوگ دنیا اور آخرت میں ایک دوسرے کے ولی ہیں"۔(۱)

حضرت کعب بن عجرہ سے منقول ہے کہ "مہاجرین و انصار اور بنو ہاشم کا اس کے بارے میں اختلاف ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ حقدار آپ کے نزدیک ہم میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے انصار کے لوگو! جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو میں آپ کا بھائی ہوں انہوں نے کہا اللہ اکبر، آپ ہمارے حصہ میں آئے، رب کعبہ کی قسم! اس کے بعد آپ نے فرمایا اے مہاجرین! میں تو تم ہی میں سے ہوں انہوں نے کہا اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم! آپ ہمارے حصہ میں آئے، آپ نے اس کے بعد بنو ہاشم کو مخاطب کر کے فرمایا اور اے بنو ہاشم!

(۱) امالی الطوسی ص ۲۶۸، بحار الانوار ۲۲/ ۳۱۱

کے بارے میں آزمائش کا سبب بنتا تھا، یہ اللہ کے لئے عظیم الشان اخلاص کی دلیل ہے، اس میں تمام ذاتی جذبات اور محبوب ترین اشیاء کے ساتھ مقابلہ کرنا ظاہر ہو رہا ہے، اور جنہوں نے جہاد کیا " فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم " انہوں نے دعوت و جہاد کے لئے اپنا مال خرچ کیا اور اس راستے میں ان کو ہر قسم کی معنوی اور مادی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، انہوں نے اپنی زندگی کے ذاتی اور انفرادی پہلو کو قربان کر دیا اور اجتماعی اور عمومی معاشرہ کے ایک متحرک عنصر بن گئے جس کا تعلق براہ راست اللہ اور زندگی سے تھا، بلا شبہ یہ لوگ اللہ کے نزدیک مقام و مرتبہ کے اعتبار سے سب سے فائق ہیں، ان تمام دوسرے لوگوں سے جو محدود میدانوں میں خیر کا کام انجام دیتے ہیں، " و اولٰئک ھم الفائزون " اللہ کی رحمت، اس کی خوشنودی اور اس کی جنت کے ذریعہ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ (۱)

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

" ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان أن آمنوا بربکم فآمنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا و کفر عنا سیآتنا و توفنا مع الأبرار ، ربنا و آتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامۃ انک لا تخلف المیعاد، فاستجاب لھم ربھم أنی لا أضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض، فالذین ھاجروا و اخرجوا من دیارھم و أوذوا فی سبیلی و قاتلوا و قتلوا لأکفرن عنھم سیآتھم و لأدخلنھم جنات تجری من تحتھا الأنھار ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب " (آل عمران: ۱۹۳ - ۱۹۵)

(۱) تفسیر من وحی القرآن مزید دیکھیے عثمان، تحریک القرآن (سورۃ التوبہ) ص ۲۰

ترجمہ: " مالک! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو، ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی، پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں ان سے درگذر فرما، جو برائیاں ہم میں ہیں انہیں دور کر دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ خداوندا! جو وعدے تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے کئے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی میں نہ ڈال، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔ جواب میں ان کے رب نے فرمایا میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، لہذا جن لوگوں نے میرے خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکال گئے اور ستائے گئے اور میرے لئے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور معاف کر دوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔

سید عبداللہ شبر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

" فاستجاب لھم ربھم " ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی جو انہوں نے طلب کی تھی، " انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی " شمل کرنے کے لئے توضیح کی جا رہی ہے " بعضکم من بعض " یعنی تم سب کی اصل ایک ہے، " فالذین ھاجروا " یعنی جنہوں نے ترک کیا اپنے وطن کو اور اپنی قوم کو دین کی خاطر چھوڑا " و اخرجوا من دیارھم و اوذوا فی سبیلی " یعنی میرے دین کے لئے اور اسی کی وجہ سے " و قاتلوا " اور انہوں نے مشرکین سے جنگ کی " و قتلوا " یعنی شہید ہوئے، واو سے ترتیب کا پایا جانا ضروری نہیں ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ جب ان سے کہا گیا

تم مجھ سے ہو اور میری طرف ہو (جب آپؐ نے یہ فرمایا تو) ہم سب آپ کے پاس سے آئے حتٰی کہ ہم سب خوش تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رشک کر رہے تھے"۔(۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا "میں تمہارے درمیان دو اہم ترین چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، البتہ ان میں سے ایک دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے — آخر میں آپؐ نے فرمایا سن لو! انصار میرے لئے ڈھال کی مانند ہیں لہٰذا ان کی لغزشوں سے درگذر کرنا اور ان میں احسان کرنے والے کی مدد کرنا"۔(۲)

یہ مبارک احادیث بالخصوص اہل بیت کے ذہنوں سے اوجھل نہیں تھے بلکہ انہوں نے ان کو یاد کیا اور محفوظ کیا، اسی لئے حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کو جواب دیتے ہوئے مہاجرین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا "سبقت کرنے والے سبقت کرنے کی مدد سے کامیاب ہوئے اور مہاجرین اولین اپنے فضل و کمال سے بہرہ مند ہوئے"۔(۳)

اسی طرح حضرت علیؓ نے فرمایا "مہاجرین خیر کثیر کے حامل ہیں، جس کو ہم جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عطا فرمائے"۔(۴)

حضرت حسنؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کی، اگرچہ اس نے ایک بالشت زمین ہی کا سفر کیوں نہ کیا ہو، اس کے لئے جنت

(۱) دلائل الصدق ۳/ ۳۳۱ بحار الانوار ۲۲/ ۳۱۲ (۲) بحار الانوار ۲۲/ ۳۱۱

(۳) نہج البلاغہ ص ۳۷۸ بحار الانوار ۳۳/ ۱۰۲ وقعۃ صفین ص ۱۸۵

(۴) وقعۃ صفین ص ۸۸ بحار الانوار ۳۳/ ۱۱۰

واجب ہوئی اور ابراہیم و محمد کی رفاقت اس کو حاصل ہوگی"۔(۱)

سابقہ روایات و تفصیلات سمندر کا ایک چھینٹا اور بحر زخار کے چند قطرات کی مانند ہیں جن سے دل کی دنیا سیراب ہوتی ہے اور دلوں کے لئے نئی زندگی کا ذریعہ اور ہدایت و نور کا سرچشمہ جاری ہوتا ہے غفلت میں پڑا ہوا شخص اس کے ذریعہ زندگی حاصل کرتا ہے اور کوئی گروہ ان کے فضائل و مناقب کی اقتدا کرتا ہے، اہل بیت کے اس طرز عمل پر اللہ کی تعریف کا مستحق ہے کہ انہوں نے تمام صحابہ کی تعریف و ثناخوانی کی ہے، اور اس تعریف و توصیف سے کسی بھی صحابی کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔

(۱) بحار الانوار ۱۹/ ۳۱ مجموعہ ورام ۱/ ۳۳ تفسیر الصافی ۱/ ۴۹۰ تفسیر نور الثقلین ۱/ ۵۴۱

۴- اہل بدر کے بارے میں ثقلین کی تعریف و ثنا خوانی

صحابہ کرام کی عمومی مدح و تعریف کے بعد مہاجرین و انصار کی تقسیم کی گئی اور پھر صحابہ کے متعین گروہوں کا ذکر آتا ہے کیونکہ وہ کسی عظیم عمل یا خاص سبب کی وجہ سے ممتاز مقام رکھتے ہیں جس کی بنا پر وہ مزید فضل و کمال کے مستحق قرار پائے۔

اللہ تعالی نے ان صحابہ کو فضیلت اور عظیم مراتب کا مستحق قرار دیا ہے جو جنگ بدر میں شریک ہوئے، وہ اس وقت نہایت کم تعداد میں تھے، اس وقت انہوں نے قتال کی تیاری نہیں کی تھی یا کفار قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا سامنا کرنے کے لئے کوئی تیاری نہیں کی تھی کیونکہ ان کو کفار کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور پھر بعد میں جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔

لیکن اللہ کے فضل و احسان کی وجہ سے انہی قلیل صحابہ کے ذریعہ فتح مبین حاصل ہوئی، انہوں نے پورے عرب کو خوفزدہ کر دیا اور ان پر اپنا رعب قائم کر لیا، اس غزوہ کی وجہ سے قبائل عرب کے مابین ان کو ایک عظیم مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔

اللہ تعالی کو ان پاکیزہ صحابہ کے تمام اعمال کا علم تھا، اللہ نے ان کے بارے میں خوشخبری سنائی کہ کفر پر ان کی موت نہیں ہو سکتی ہے اور ان کے تمام گناہ معاف ہیں۔

اسی چیز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور زیادہ مؤکد فرمایا جب کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو قتل کرنا چاہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا "اے عمر! تم کو کیا معلوم، اللہ تعالی کو اہل بدر کے تمام اعمال معلوم تھے، اللہ نے ان کی مغفرت کر دی ہے اور ان سے کہہ دیا ہے، تم جو چاہو کرو تمہاری مغفرت

کر دی گئی ہے"۔(۱)

اہل بدر کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ ایک ابدی شہادت اور تزکیہ ہے جس میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی ان سب سے قیامت تک کے لئے راضی ہے۔

---

(۱) دیکھیے سورۃ الانفال ۲۳- شرح ابن ابی العز ص ۶۹۱

۵- فتح سے پہلے اور بعد میں انفاق کرنے والوں کے حق میں ثقلین کی مدح و تعریف

دل سے ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سابقہ اطلاع اور وقت مقررہ کے بغیر ہی جہاد میں نکلنے میں پیش قدمی سے کام لیا اور وہ پس پیش کا شکار نہیں ہوئے۔ اس لئے ان کی مدح و ثنا کا دائرہ اور وسعت اختیار کرتا ہے جس میں وہ تمام صحابہ شامل ہوتے ہیں جنہوں نے فتح سے پہلے اور اس کے بعد انفاق کیا۔

ایک مسلمان یہ ایمان رکھتا ہے کہ جن صحابہ نے فتح سے پہلے انفاق کیا اور قتال کیا وہ ان صحابہ سے افضل ہیں جنہوں نے فتح کے بعد انفاق اور قتال کیا۔

"فتح" سے مراد "صلح حدیبیہ" ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "انا فتحنا لک فتحا مبینا" (الفتح ۱) ترجمہ: اے نبی! ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی"۔

حدیبیہ مکہ کے قریب ایک کنواں ہے، جہاں پر بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ وہاں پر، جو ایک درخت کے نیچے ہوئی، جب کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، تمام صحابہ نے یہاں مرنے پر بیعت کی۔

فتح یا صلح حدیبیہ میں موجود صحابہ کرام کو فضل و کمال اور مقام بلند کی اس خصوصیت کے ساتھ اس لئے خاص کیا گیا کیونکہ اس وقت کے تحت حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور صحابہ کو بھی افراد کی حمایت اور مادی قوت کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ یہ بیعت اور اس کے بعد ہونے والی صلح ان زبردست نتائج کے اعتبار سے فتح مبین تھی جو اس

کے بعد حاصل ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے اس وقت بیعت کی جب کہ صحابہ کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی، حضرت عثمان غنیؓ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بطور قاصد اہل مکہ کے پاس گئے تھے، تو بیعت میں ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنیؓ کی جانب سے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھ کر ان کی طرف سے خود ہی بیعت فرمائی۔

لیکن بعض مسلمانوں نے کہا عثمان کے لئے خوشخبری ہے، انہوں نے تو خانہ کعبہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور حلال ہو گئے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ ایسا نہیں کر سکتے ہیں، جب حضرت عثمان تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کیا آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا؟ انہوں نے جواب دیا میں خانہ کعبہ کا طواف کیسے کر سکتا تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا طواف نہ کر سکے ہوں"۔(۱)

اس بیعت کو فتح کہا گیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے اس کے بعد مسلمانوں کو خیر کثیر اور نصرت کا حصول ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان پاکیزہ نفوس کی تعریف کی ہے، ان کے ظاہر و باطن کا تزکیہ فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے

"لقد رضی اللہ عن المؤمنین إذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فأنزل السکینۃ علیھم وأثابھم فتحا قریبا" (الفتح ۸)

(۱) الکافی ۸/۳۲۵، بحار الانوار ۲۰/۳۶۵

ترجمہ: "اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی"۔

شیخ امین الدین ابو علی طبرسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اس آیت میں اس بیعت کو بیعت الرضوان کہا گیا ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام نے مشہور درخت کے نیچے حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، یہ ببول کا درخت تھا، "فعلم ما فی قلوبھم" یعنی جہاد، صبر اور وفاداری کے سلسلہ ان کی نیت کی سچائی کو اللہ تعالی نے جانچ لیا، ان کی تعداد پندرہ سو یا تیرہ سو تھی "فانزل السکینة علیھم" ان پر اللہ تعالی نے سکینت نازل فرمائی، "ان پر" سے مراد مومنین ہیں، سکینت اللہ کا انعام و لطف ہے جو ان کے دلوں کی تقویت کا باعث بنا جیسے کہ طمانیت سے ان کے دل مطمئن ہوئے" "واثابھم فتحا قریبا" یعنی فتح خیبر مراد ہے"۔(۱)

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے

"لایستوی منکم من أنفق من قبل الفتح وقاتل، أولئک أعظم درجة من الذین أنفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنی، واللہ بما تعملون خبیر" (الحدید ۱۰)

ترجمہ "تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا ہے، ان کا درجہ بعد میں خرچ

(۱) تفسیر جامع الجوامع، مزید دیکھئے منتخبات الدرر، تقریب القرآن، سورۃ الفتح ۱۸

اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے"۔

شیخ محمد سبزواری نجفی آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں

"لایستوی منکم" یعنی برابر نہیں ہو سکتے ہیں "من انفق": جنہوں نے خرچ کیا "اپنا مال اللہ کے راستہ میں" "من قبل الفتح وقاتل" "فتح سے پہلے اور قتال کیا کفار سے بلاشبہ" "أولئک" "یہ لوگ" "جو ایسا کرنے والے ہیں" "أعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا" بلند درجہ والے ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور قتال کیا" یعنی فتح مکہ کے بعد لہذا لشکر اسلام پر فتح سے پہلے خرچ کرنا اور جہاد کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ باعث ثواب ہے اس کے بعد انفاق کرنے اور جہاد کرنے کے مقابلہ میں" "وکلا وعد اللہ الحسنی" "یعنی اللہ تعالی نے ان سے بھی اور ان سے بھی جنت کا وعدہ فرمایا ہے اگر چہ درجات میں فرق مراتب پایا جاتا ہے" "واللہ بما تعملون خبیر" "یعنی اللہ وہ تمام اعمال جانتا ہے جو تم کرتے ہو، اس سے تمہارے حال، تمہارے قول، تمہارے انفاق اور جہاد میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے بلکہ وہ تمہارے تصرفات واعمال اور تمہاری نیتوں کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے"۔(۱)

جن سے اللہ تعالی نے حسنی کا وعدہ فرمایا ہے ان کے لئے اس نے جنت کا فیصلہ فرمایا ہے، ارشاد باری تعالی ہے

"إن الذین سبقت لھم منا الحسنی أولئک عنھا مبعدون لا

(۱) تفسیر الجدید، مزید دیکھئے تفسیر الصادق اشر منتخبات الدرر، الجوھر الثمین (سورۃ الحدید ۱۰

یسمعون حسیسها وهم فی ما اشتهت انفسهم خالدون ، لا یحزنهم الفزع الأکبر "(الانبیاء ۱۰۱-۱۰۳)

ترجمہ "بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہوگا تو وہ یقیناً اس سے دور رکھے جائیں گے اس کی سرسراہٹ تک نہ سنیں گے اور وہ ہمیشہ ہمیش اپنی من چاہی چیزوں کے درمیان رہیں گے، وہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت ان کو ذرا پریشان نہ کرے گا۔"

ابو جعفر طوسی مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"ان الذین سبقت لهم منا الحسنی" یعنی جنت کا وعدہ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ جنکی صفت یہ ہے "اس کو جہنم سے بہت دور رکھا جائے"۔(۱)

جس طرح صلح حدیبیہ کے دوران اور اس سے پہلے صحابہ تنگی اور مشقت میں تھے، اسی طرح غزوہ تبوک کے موقعہ پر بھی ایک ایسا وقت آیا جب مدینہ کے منافقوں کو مخلص مسلمانوں سے ممتاز کیا گیا قرآن کریم نے اس کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان صحابہ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں نکلے

"لقد تاب الله علی النبی والمهاجرین والانصار الذین اتبعوه فی ساعة العسرة من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم ثم تاب علیهم انه بهم رؤف رحیم" (التوبة ۱۱۷)

ترجمہ "اللہ نے معاف کر دیا نبی کو اور ان مہاجرین و انصار کو جنھوں نے بڑی تنگی

(۱) تفسیر التبیان، تفسیر سورۃ الانبیاء

کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا، اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے، (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبی کا ساتھ ہی دیا تو) اللہ نے انہیں معاف کر دیا، بے شک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی کا ہے۔"

سید محمد تقی المدرسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"لقد تاب الله علی النبی والمهاجرین والانصار" نبی کی توبہ قبول کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے مزید برکات کا نزول، البتہ مہاجرین و انصار کی طرف اس کی نسبت ہونے پر بھی تو اس سے گناہوں کی مغفرت بھی مراد ہوتی ہے، لیکن کیوں اور کیسے ان کے گناہ معاف کئے گئے؟ ایسا اس لئے کیونکہ انہوں نے سختی کے مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی اور یہ ایک عظیم عمل تھا، اللہ عظیم حسنات کے ذریعہ چھوٹے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، اسی لئے آیت میں اس حقیقت کو تاکیدی طور پر بیان کیا گیا ہے " جنھوں نے سختی کی گھڑی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی" سختی کے موقع پر صبر کرنا یہ عظیم کام ہے، اس کے ذریعہ اللہ تمام چھوٹے گناہ معاف کر دیتا ہے"۔(۱)

شیخ طبرسی فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے مہینہ میں روم پر حملہ کرنے کی تیاری کی، عرب کے وہ قبائل جو اسلام میں داخل ہوئے تو ان سب کو اس کے بارے میں لکھا، ان کے پاس جہاد کی ترغیب دینے کے لئے اپنے قاصد بھیجے جب آپ نے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو پہلے آپ نے ایک تقریر فرمائی، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، ہمدردی، کمزوروں کی مدد اور انفاق کی ترغیب دی"۔ سب سے پہلے خرچ کرنے والے حضرت عثمان تھے

(۱) تفسیر من ہدی القرآن، مزید دیکھئے تفسیر الہدیٰ، من ہدی القرآن (سورۃ التوبہ ۱۱۷)

عفانؓ تھے۔ وہ چاندی کے برتن لے کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیے، انہوں نے بعض کمزور لوگوں کو جہاد کے لئے تیاری کا سامان بھی دیا، انہی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تنگی کے لشکر کو تیار کیا حضرت عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور غیر معمولی مال خرچ کیا اور کچھ لوگوں کو جہاد کے لئے تیاری کا سامان بھی دیا، انصار بھی اس میں پیش پیش رہے، حضرت عبدالرحمن، حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے مال خرچ کیا، بعض منافقین نے بھی ریاکاری اور شہرت کی غرض سے انفاق کیا"۔(۱)

جتنی آیات اور روایات گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہیں، وہ ان لوگوں کے مقام ومرتبہ کی وضاحت کے لئے کافی وشافی ہیں، جنہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کی نصرت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے بے حد قربانی کی۔

اہل بیت سے محبت کرنے والے علماء کے سابقہ اقوال کا جو بھی بنظر غائر مطالعہ کرے گا، انصاف اور بصیرت کے ساتھ ان کا تتبع کرے گا، اس کے سامنے اس مبارک ترین جماعت کا فضل وکمال واضح ہوجائے گا، جنہوں نے اللہ کی بارگاہ میں مخلصانہ اعمال پیش کئے، اور نبوت سے وابستگی حاصل کی، اور حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مضبوطی سے اختیار کیا، اسی لئے ثقلین نے ان کے لئے اس مقام بلند اور فضل وکمال کی شہادت دی ہے۔

(۱) دیکھئے اعلام الوریٰ ص ۱۳۱، بحار الانوار ۲۱/۲۴۴

تیسرا باب

فتنہ کا ظہور کیسے ہوا؟

ہم نے امت کے فضل وتوفیق سے ان روایات کو بیان کیا جو صحابہؓ کے فضل وکمال پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح ائمہ علماء کے نزدیک ان کی عظمت شان پر بھی روشنی ڈالی، قرآنی آیات اور اہل بیت سے منقول روایات کے ذریعہ اس کو واضح کیا گیا، اس کے بعد بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کے مابین اختلاف کیسے ہوا جب کہ وہ اہل فضل وکمال اور اللہ کے دین کے متبعین ہیں؟

۱- مسلمانوں کے مابین سب سے پہلے فتنہ پروری کرنے والا شخص

پرسکون زندگی جو صحابہ- رضی اللہ عنہم- کے معاشرہ میں عام ہوگئی تھی- اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں مبارک فتوحات اور عظیم کامیابیوں کی کثرت جس کی ابتداء مدینہ سے یہودیوں کو نکالنے سے ہوئی، پھر ان کو پورے جزیرۃ العرب سے نکال باہر کیا گیا، اس کے بعد کچھ ہی عرصہ بعد فارس کا تخت شاہی بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں آیا اور گروہ در گروہ لوگ اسلام میں داخل ہوکر مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے، ان میں سے بعض لوگ سابقہ رسم ورواج اور افکار کے حامل لوگ تھے جو مکمل طور پر ان کے اذہان سے خارج نہیں ہوئے تھے، یہ تمام چیزیں ایسی تھیں جنہوں نے امت مسلمہ کی صفوں میں اختلاف اور تفرقہ کی راہیں ہموار کیں۔

مسلمانوں کی پرسکون اور آسودہ زندگی اور کثرت فتوحات اور اس طرح کی تمام

چیزیں تو خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں کو ایک آنکھ پسند نہیں آئیں، اس لئے انہوں نے اس مبارک مثالی معاشرہ میں اختلاف و تفریق کے بیج بونے کی کوششیں شروع کر دیں اور دین اسلام میں بدعات و تفرقہ بازی کی آگ لگانے میں انہوں نے اپنی جانیں کھپا دیں اور صحابہ کی صفوں میں تفریق پیدا کرنے کی کوششیں کی۔

بیمار ذہن کے لوگوں کو اغوا کر کے شبہات کے بیج بونا اور فتنہ کی آگ بھڑکانا شرانگیز اور فتنہ انگیزی کے دروازے ہیں ان میں سب سے پہلا دروازہ تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں طعن، تشنیع کا سلسلہ شروع کیا گیا یہاں تک کہ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کی حیثیت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی، مسلمانوں کی صفوں میں تفریق اور ان کی طاقت کو کمزور کرنے میں ساری صلاحیتیں صرف کی گئیں۔

اس بدترین سازش کا علمبردار اور اس معاملہ میں سب سے بنیادی رول ادا کرنے والا عبداللہ بن سبا یہودی تھا اسی نے سب سے پہلے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفانؓ کو شہید کرنے کے لیے بغاوت کی آگ بھڑکائی اس کے بعد حضرت علیؓ پر افترا اندازی کی، اور ان کی جانب بہت سے یہودی اعتقادات اور اقوال منسوب کئے، ان کی ترویج کا کام کیا اور بہت سے کوتاہ نظر، کمزور ایمان اور فتنہ پرور لوگوں میں اس کو عام کیا۔

جب ان خطرناک بدعات اور فتنوں کی آگ لوگوں میں پھیل گئی اور شیطان نے ان کے اعمال مزین کر دیے تو ان کے یہ اقوال امیر المومنین کی نگاہوں اور کانوں تک پہنچ گئے، جن کو سن کر وہ بہت غضبناک ہوئے انہوں نے اس سلسلہ میں کمزوری نہیں دکھائی اور نہ ہی ان بدترین اقوال سے صرف نظر کیا، انہوں نے خندقیں کھدوائیں، اور ان میں آگ جلائی، اس کے بعد ہر اس شخص کو جلانے کی دھمکی دی جو

بھی اس خطرناک افترا اندازی سے رجوع نہ کرے، انہوں نے ان میں سے ایک بڑی تعداد کو جلایا اور کچھ دوسرے لوگوں کو جلا وطن کیا۔

علامہ مجلسی نے "بحار الانوار" میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنین سے کہا "مسجد کے دروازے پر بعض ایسے لوگ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ان کے رب ہیں" حضرت علی نے ان کو بلایا اور کہا تمہاری تباہی ہو، میں تو تمہاری طرح اللہ کا بندہ ہوں، میں کھانا کھاتا ہوں، پانی پیتا ہوں لہذا اللہ سے ڈرو اور اس غلط عقیدہ سے رجوع کرو۔

وہ لوگ دوسرے اور تیسرے روز ان کے پاس آئے، انہوں نے پھر اسی عقیدہ کا اظہار کیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے ان سے کہا خدا کی قسم اگر تم نے توبہ کی تب تو ٹھیک ہے، ورنہ میں تم کو بہت بری طرح قتل کروں گا اس کے بعد حضرت علیؓ نے قبریں اور خندق کھودنے والے کو بلایا، ان کے لئے مسجد اور محل کے درمیان خندقیں کھدوائیں، لکڑیاں منگوا کر اس میں آگ جلوائی اور اس کے بعد اس سے کہا میں تم کو اس میں ڈالوں گا، پھر اسے اس عقیدہ سے رجوع کرلو انہوں نے انکار کیا اس کے بعد ان کو ان خندقوں میں ڈال دیا، یہاں تک کہ وہ جل گئے۔

ان کے بعض اصحاب کا کہنا ہے کہ ان کو انہوں نے نہیں جلایا بلکہ صرف ان کو دھوئیں میں ڈالا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے کہا

لما رأيت الأمر أمرا منكرا　　　أوقدت ناري ودعوت قنبرا
ثم احتفرت حفرا وحفرا　　　وقنبر يحطم حطما منكرا

ترجمہ: جب میں نے خطرناک اور ناپسندیدہ معاملہ کو دیکھا تو میں نے آگ جلوائی اور اپنے غلام قنبر کو بلایا، اس کے بعد میں نے خندقیں کھدوائیں، اور قنبر اس میں ڈالتا

جا رہا تھا۔(۱)

قارئین کرام! کہیں آپ کے ذہن میں یہ بات نہ آئے کہ یہ صرف کوئی خیالی، زمانی یا موہوم شخصیت تھی جس نے ان خبیث سازشوں کا جال بنا، بلکہ یہ بدترین شخصیت اسلام کے خلاف برسرِپیکار تھی اور میدانِ کارزار میں موجود تھی، مختلف حربے اپنا رہی تھی اور خطرناک منصوبے تیار کر رہی تھی، اسی لئے علماء بھی اس کی صحیح صورتحال بیان کرتے سے غافل نہیں رہے، انہوں نے اس کی تمام سازشوں کو واشگاف کیا، اس کے رازوں کو فاش کر دیا، اسلامی حلقوں میں انتشار و تفریق پیدا کرنے کے اس کے بدترین کردار اور عوام کے ذہنوں میں خطرناک افکار و معتقدات عام کرنے کے رول کو بیان کیا۔

عبداللہ بن سبا کے بارے میں بہت سے علماء نے لکھا ہے جن میں مندرجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں

۱۔سعد بن عبداللہ اشعری القمی (۳۰۱ھ)

فرماتے ہیں ''اس فرقہ کو سبیہ فرقہ کہا جاتا ہے، یعنی عبداللہ بن سبا کے اصحاب و متبعین، اس کا پورا نام عبداللہ بن وہب راسبی ہمدانی ہے، ان سازشوں میں اس کا ساتھ عبداللہ بن حرس اور ابن اسود نے دیا، یہ دونوں اس کے مقرب ترین اصحاب میں سے تھے، یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور دیگر صحابہؓ کے بارے میں زبانِ طعن دراز کی، اور ان سے براءت کی''۔(۲)

۲۔الکشی (۳۶۹ھ) انہوں نے اَبان بن عثمان کے واسطے سے نقل کیا ہے، وہ

(۱) بحار الأنوار ۳۴/۲۸۷ (۲) المقالات والفرق ص ۲۰

کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ (علیہ السلام) کو فرماتے ہوئے سنا اللہ کی لعنت ہو عبداللہ بن سبا پر اس نے امیر المؤمنین -علیہ السلام- کے بارے میں ربوبیت کا دعویٰ کیا خدا کی قسم! امیر المؤمنین اللہ کے ایک مطیع و فرمانبردار بندہ تھے، تباہی ہے اس شخص کے لئے جس نے ہمارے بارے میں افترا اندازی کی ہے، بعض لوگ تو ہمارے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہم اپنے وہم و خیال میں بھی نہیں لا سکتے ہیں، ہم ان سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں، ہم ان سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں۔

مزید فرماتے ہیں بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا، اس نے اسلام قبول کیا اور حضرت علی سے تعلقات قائم کئے، یہودی ہونے کی حالت میں وہ حضرت یوشع بن نون- حضرت موسیٰ کے وصی- کے بارے میں غلو کرتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ایسی ہی کرنے لگا، یہی سب سے پہلا شخص تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا عقیدہ مشہور کیا، آپ رضی اللہ عنہ کے دشمنوں سے براءت کا اعلان کیا، آپؓ کے مخالفین سے مقابلہ کیا اور ان کی تکفیر کی''۔(۱)

۳۔شیخ الطائفۃ ابوجعفر الطوسی (۴۶۰ھ)

''اصحاب علی علیہ السلام'' باب کے تحت عبداللہ بن سبا کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''عبداللہ بن سبا جس نے دوبارہ کفر اختیار کیا اور غلو سے کام لیا''۔

اس کتاب کے حاشیہ میں منقول ہے عبداللہ بن سبا-غلو کرنے والا ملعون ہے،

(۱) دیکھئے رجال الکشی ص ۱۰۷، ۱۰۸

امیر المومنین حضرت علیؓ نے اس کو آگ میں جلوایا۔ وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ حضرت علیؓ اللہ (معبود) ہیں اور وہ نبی ہیں۔(۱)

۵۔ علامہ علی قہپائی (۱۰۱۶ھ)

فرماتے ہیں عبداللہ بن سبا جس نے دوبارہ کفر اختیار کیا اور غلو کا اظہار کیا۔ (رجال القہپائی ۳/۲۸۴)

۶۔ علامہ اردبیلی (۱۱۰۱ھ)

فرماتے ہیں "وہ غلو کرنے والا ملعون ہے" "وہ حضرت علیؓ کی الوہیت اور نبوت کا عقیدہ رکھتا تھا"۔(۲)

۷۔ میرزا النوری طبرسی (۱۳۲۰ھ)

انہوں نے اپنی کتاب "مستدرک الوسائل" میں باب "حکم الصلاۃ والقدریۃ" میں عمار ساباطی کی ایک روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں "امیر المومنین مدائن تشریف لائے کسریٰ کے ایوان میں آپؓ نے قیام فرمایا، آپ کے ساتھ کسریٰ کے (سابق) نجومی دلف بن مجیر بھی تھے جب زوال کا وقت ہوا، آپ نے دلف سے کہا میرے ساتھ آؤ (اس کے بعد فرماتے ہیں) تو ایک بوسیدہ کھوپڑی پر ان کی نگاہ پڑی، انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا اس کھوپڑی کو اٹھاؤ، وہ وہاں پڑی ہوئی تھی، اس کے بعد ایوان میں تشریف لائے اور بیٹھ گئے، پھر ایک طشتری منگوائی اور اس میں پانی ڈلوایا، اس شخص سے کہا اس کھوپڑی کو طشتری میں ڈال دو اس کے بعد اس سے یوں گویا ہوئے

(۱) رجال الکشی ص ۵۱ (۲) جامع الرواۃ ۱/۴۸۵

کھوپڑی میں تجھے قسم دیتا ہوں، مجھے بتاؤ میں کون ہوں؟ اور تم کون ہو؟ کھوپڑی نے فصیح زبان میں بولنا شروع کیا اور کہا جہاں تک آپ کا تعلق ہے تو آپ امیر المومنین اور سید الوصیین ہیں، اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اللہ کا بندہ، اللہ کی بندی کا بیٹا کسریٰ انو شرواں ہوں۔ اہل ساباط سب کے سب اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے اور انہوں نے اپنی بستی کے لوگوں کو کھوپڑی سے سنی ہوئی تمام چیزیں بتائیں، امیر المومنین کے مفہوم کے بارے میں ان میں آپس میں اختلاف ہوا، وہ سب حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ ان میں سے بعض نے حضرت علیؓ کے بارے میں وہ باتیں کہیں جو نصاریٰ عیسیٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں، یا عبداللہ بن سبا اور اس کے اصحاب حضرت علیؓ کے بارے میں کہتے ہیں، حضرت علیؓ کے اصحاب نے ان سے کہا کہ اگر آپ ان کو اسی حال میں چھوڑ دیں گے تو تمام لوگ کفر اختیار کر لیں گے، جب انہوں نے ان سے یہ بات سنی تو ان سے کہا آپ لوگ کیا چاہتے ہیں ان لوگوں کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے کہا ان کو بھی ویسے ہی جلا کر ختم کر دیجیے جیسے آپ نے عبداللہ بن سبا اور اس کے اصحاب کو جلایا"۔(۱)

فساد برپا کرنے والوں کی حقیقت اور ان کے غالی قسم کے اقوال کو بیان کرنے کے سلسلہ میں علمائے کرام کا طرز عمل یہی رہا ہے، ان غلو کرنے والوں نے اس مبارک شریعت میں کذب، افراط اور ہلاک کرنے والی چیزیں داخل کرنے کی کوششیں کیں، کیا واضح حق اور امیر المومنین کے بارے میں پہلے لوگوں کے اقوال ضائع ہو سکتے ہیں؟

(۱) مستدرک الوسائل ۱۰/۱۹۸ بحوالہ سید المعاجز ۱/۲۲۶

۲-فتنہ کا آغاز

عبداللہ بن سبا یہودی نے جس سازش کا جال بنا تھا اس کے مکمل ہونے کے بعد اختلاف اور معرکہ آرائی کا آغاز ہوا، کیونکہ اس نے بہت سے ضعیف الایمان اور ناواقف مسلمانوں کے اندر بغض وحسد اور کینہ پروری کی آگ لگائی تھی، یہ سازشیں اپنے ناپاک نتائج کے ساتھ تکمیل کو پہنچ گئیں جن کا فائدہ سب سے زیادہ ان اوباشوں نے اٹھایا جنہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ان کو ان کے گھر میں شہید کر دیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حالات اور زیادہ بگڑ گئے، مسلمانوں کی صفوں میں شر کے جراثیم اپنا زہر پھیلاتے ہوئے منتشر ہوتے گئے، جب خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو یہ سبئی خوارج اہل مدینہ اور مسلمان فوج کی صفوں میں داخل ہو گئے، لیکن حضرت علیؓ کے لئے ان کا نکالنا، ان کا صفایا کرنا اور ان سے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفانؓ کے قتل کا بدلہ لینا اس وقت ممکن نہیں تھا، کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں اہل مدینہ کے مابین فتنوں اور معرکہ آرائی میں اضافہ نہ ہو جائے جیسے کہ خلیفہ مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

جب حضرت علیؓ سے اہل مدینہ نے ان لوگوں کو سزا دینے کا مطالبہ کیا جنہوں نے حضرت عثمان کے خلاف سازش رچی تھی، تو حضرت علیؓ نے ان سے کہا ''میرے بھائیو! میں اس چیز سے ناواقف نہیں ہوں جس کو تم لوگ جانتے ہو، لیکن میں طاقت کا استعمال کیسے کر سکتا ہوں جب کہ ہم طاقتور قوم کے قبضے میں ہیں، ہم ان پر کوئی قدرت

نہیں رکھتے ہیں، یہ دیکھئے ان کے ساتھ تمہارے غلام بھی باغی ہو گئے ہیں، ان کے پاس دیہات کے لوگ بھی جمع ہو گئے ہیں، وہ تمہارے درمیان ہیں جب تک وہ چاہیں گے کیا آپ کوئی ایسی گنجائش دیکھ رہے ہیں جس پر میں آپ کی رائے کے مطابق عمل کر سکوں؟ یہ جاہلی طرز کی صورتحال ہے، ان لوگوں کے پاس مادی قوت ہے، اس صورت حال میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں ایک گروہ وہی سمجھتا ہے جو تم سمجھ رہے ہو، دوسرا گروہ وہ سمجھتا ہے جو تم نہیں سمجھتے ہو، اور ایک گروہ نہ یہ سمجھتا ہے اور نہ ہی وہ، لہذا اس وقت تک صبر کرو جب تک کہ لوگ پرسکون نہ ہو جائیں، اور دل مطمئن نہ ہو جائیں، اور اپنا اپنا حق طلب کرنے کے سلسلہ میں سمجھ میں آ جائے، لہذا مجھے پریشان نہ کرو اور دیکھتے رہو اس صورتحال کے بارے میں میری طرف سے کیا حکم ملتا ہے کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے طاقت پارہ پارہ ہو جائے، قوت ٹوٹ جائے اور اس کے بعد کمزوری لاحق ہو جائے، میں جب تک مناسب سمجھوں گا بلاگ ڈور سنبھالے رہوں گا اور جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہے تو آخری علاج بکر آپریشن ہی ہے۔ (۱)

اسی وقت سے صحابۂ کرام کے مابین فتنوں کا ظہور ہوا، جس کے نتیجہ میں وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے جب کہ آراء میں اختلاف پایا گیا اور اجتہادات مختلف ہو گئے، ایک گروہ کی رائے تھی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفان کے قاتلوں سے بدلہ لینا فوری طور پر واجب ہے، دوسرے گروہ کی رائے یہ تھی کہ اس میں مہلت کی ضرورت ہے یہاں تک کہ امیر المومنین کے لئے معاملہ بالکل واضح ہو جائے، اسی کے دوران اہل فساد

---

(۱) نہج البلاغۃ ص ۲۴۳، بحار الانوار ۳۱/۵۰۲

اور فتنہ پرور لوگ ان مختلف آراء رکھنے والوں کے درمیان داخل ہو گئے۔

اس اختلاف و انتشار کی کیفیت کے بعد فتنہ پرور لوگوں کو اس پر بھی چین نہیں آیا بلکہ انہوں نے تفریق و اختلاف اور فتنہ پروری کے لئے ہر موقعہ کو غنیمت سمجھا یہاں تک کہ مکہ سے صحابہ کی ایک جماعت کو عراق کی طرف نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ جذبات کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی یہاں تک کہ جنگ جمل کا معرکہ ظہور پذیر ہوا۔

جنگ جمل

تاریخی روایات میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ اور مکہ سے عراق کی طرف ان کے ساتھ نکلنے والے دوسرے لوگ قتال کے ارادہ سے یا قتال کی طرف بلانے کی نیت سے یا حضرت علیؓ سے خلافت چھیننے کے لالچ میں نہیں نکلے تھے بلکہ وہ اصلاح کی نیت سے اختلافات کو ختم کرنے، مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے، خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے اور ان کو عراق میں موجود مسلمانوں کی صفوں سے نکالنے کے ارادہ سے نکلے تھے۔

کتب تاریخ میں ان کے نکلنے کے یہی اسباب موجود ہیں۔ جنگ جمل کا یہ معرکہ آخری معرکہ نہیں تھا بلکہ اس کے کچھ ہی زمانہ بعد معرکہ صفین بھی پیش آیا۔

مندرجہ ذیل سطور میں اس معرکہ کے واقعہ کا مختصر ذکر کیا جا رہا ہے:

جب حضرت علیؓ کی فوج اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کی فوج کے درمیان اس بات پر

اتفاق ہو گیا تھا کہ اپنی صفوں سے ان خوارج کو نکالا جائے اور ان کو قتل کیا جائے، ہر فوج اپنی اپنی چھاؤنی میں واپس چلی گئی، لیکن ان خوارج کو یہ مبارک اتفاق اور اس کی تصفیہ پسند نہیں آئی، کیونکہ اس میں ان کے قتل اور سزا دینے پر اتفاق ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے دونوں لشکروں کے درمیان فتنہ پروری اور ان کے درمیان جنگ کی آگ کو ہوا دینے کی مہم تیز کر دی، اس سلسلہ میں انہوں نے ایک دوسری ایسی سازش رچی جس سے ان کے مکر و فریب اور غداری کا پتہ چلتا ہے، انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ رات میں دونوں فوجوں سے کچھ افراد کو قتل کیا جائے، تاکہ ہر فریق یہ سمجھے کہ دوسرے نے عہد شکنی اور غداری کی ہے، اصل صورتحال دونوں فریقوں سے مخفی رکھی گئی، یہ سازش دونوں افواج کے مابین جنگی صورتحال پیدا کرنے کا سبب بن گئی۔

معرکہ صفین

معرکہ صفین اپنے مقاصد یا صورتحال کے اعتبار سے واقعہ جمل سے کچھ مختلف نہ تھا، اسی لئے مورخین نے اس کی صراحت کی ہے کہ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین اختلاف و قتال کا سبب یہ نہیں تھا کہ حضرت معاویہ خلافت کے شائقین یا مدعی تھے، جیسے کہ بعض لوگوں نے اس چیز کو عام کرنے اور ترویج دینے کی کوشش کی ہے۔

حضرت معاویہؓ نے سرے سے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی مسلمانوں میں سے کسی نے ان سے اس پر بیعت کی، اور نہ ہی انہوں نے حضرت علیؓ سے اس بات پر اختلاف کیا کہ وہ خلیفہ کیوں ہیں؟ بلکہ خلیفۃ المسلمین حضرت علی بن ابی طالب اور امیر شام حضرت معاویہ کے مابین سبب اختلاف یہ تھا کہ حضرت معاویہ نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کی

تعمیل نہیں کی، اور وہ یہ تھا کہ وہ شام کی ولایت سے معزول ہو جائیں اور خلیفہ (حضرت علی) کی خلافت کو تسلیم کریں۔

امیر المؤمنین نے معاملہ کی وضاحت کے لئے عام کی گئی افواہوں کی تردید کے لئے اور مسلمانوں کے انتشار کو کم کرنے کے لئے حضرت معاویہؓ کو ایک خط لکھا، اس میں اپنے سے پیشرو خلفاء کی طرح اپنی خلافت کے حق بجانب ہونے کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے خون سے اپنی براءت کا اظہار کیا ہے، اس خط میں فرماتے ہیں

"مجھ سے انہی لوگوں نے بیعت کی جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے بیعت کی اور انہی چیزوں پر بیعت کی جن پر انہوں نے بیعت کی تھی، موجود شخص کے لئے اختیار اور غائب شخص کے لئے رد کرنے کی آزادی نہیں ہے، کیونکہ مہاجرین وانصار سب کی مشاورت سے یہ فیصلہ ہوا ہے، اگر یہ سب لوگ کسی شخص کے بارے میں اتفاق کر لیں اور اس کو امام قرار دے دیں تو اس میں اللہ کی خوشنودی ہوگی، اگر ان کے دائرہ سے کوئی شخص کسی طعن وتشنیع کی وجہ سے یا بدعت کی وجہ سے نکل جائے، اس کو وہ سب اصل حالت پر واپس لائیں گے، اگر وہ نہیں مانے گا تو وہ اس سے راہ حق کی اتباع کرانے کے لئے قتال کریں گے، اور اللہ اس کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا خدا کی قسم اے معاویہ! اگر آپ اپنے نفس کے بجائے اپنی عقل سے کام لیں تو مجھے عثمانؓ کے خون سے سب سے زیادہ بری پائیں گے اور آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں اس سے بالکل الگ تھا الا یہ کہ ناکردہ گناہ کا ہار میرے سر پر ڈالو تو جو چاہے کرو۔ والسلام علیکم (۱)

(۱) نہج البلاغہ ص ۳۴۶، بحار الانوار ۳۲/۷۶

پھر جب مسلمانوں کے مابین قتال شروع ہوا اور ان کے مابین کافی خون بہا تو معرکہ کا خاتمہ اس پر ہوا کہ حضرت معاویہ نے قرآن بلند کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ ان کے درمیان اللہ کی خوشنودی کے مطابق فیصلہ کیا جائے، خلیفۃ المسلمین حضرت علیؓ اس مطالبہ پر راضی ہو گئے، اس کے بعد حضرت علیؓ کوفہ اور حضرت معاویہؓ شام ان شرائط کے ساتھ واپس ہو گئے جس پر فریقین کا اتفاق ہوا تھا۔

امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے لوگوں کو اپنے درمیان اور اہل صفین کے مابین طے شدہ اتفاق کے بارے میں باخبر کیا اور کہا "ابتدائی مرحلہ میں ہم اور اہل شام ملے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا رب ایک، ہمارے نبی ایک، اور اسلام کے بارے میں ہماری دعوت ایک، اللہ پر ایمان لانے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور نہ ہی وہ ہم سے فائق ہیں، تمام امور میں اتفاق ہے، ہمارے درمیان اختلاف صرف عثمانؓ کے خون کے بارے میں ہوا ہے حالانکہ ہم اس سے بالکل بری ہیں"۔ (۱)

یہ معاملہ کسی سے مخفی نہیں تھا اور جو کچھ صفین میں صحابہ کے مابین ہوا یہ بھی نہ ہی مسلمانوں سے اور نہ ہی کسی اہل بیت کے فرد سے پوشیدہ تھا بلکہ پوری صورتحال معلوم اور ظاہر تھی ائمہ بھی اس پر آپس میں گفتگو کرتے تھے، چنانچہ امام جعفر صادق نے اپنے والد محترم سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے حریفوں کے بارے میں کہتے تھے "ہم نے ان سے جنگ نہیں کی کہ ہم ان کی تکفیر کرتے ہوں، اور نہ ہی اس لئے جنگ کی کہ وہ ہماری تکفیر کرتے تھے، لیکن بات یہ تھی کہ ہم سمجھتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ حق پر ہیں"۔ (۲)

(۱) نہج البلاغہ ص ۴۴۸، بحار الانوار ۳۰۶/۳۳ (۲) قرب الاسناد ص ۴۵، بحار الانوار ۳۲/۳۲۴

مسئلہ کے بارے میں جو کچھ اختلافات ہوئے اور اس کے بعد اصلاح اور تحکیم پر سب تیار ہوئے یعنی فریقین نے اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا اس سے وہ قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق ہو گئے اور یہ صورت حال ہمیں اس آیت کو یاد دلاتی ہے "وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فإن بغت إحداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله فإن فاءت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطوا إن الله يحب المقسطين إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون" (الحجرات: ۹-۱۰)

ترجمہ: "اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

شیخ محمد باقر ناصری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا" یعنی مومنین میں سے دو گروہ جب ایک دوسرے سے قتال کریں، "فأصلحوا بينهما" یعنی ان کی اصلاح کے سلسلہ میں حتی الوسع کوشش کرو۔ "فإن بغت إحداهما على الأخرى" یعنی اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے، اس طور پر کہ ایسی چیز کا مطالبہ کرے جس کی وہ مستحق نہ ہو اور وہ ظالمانہ طریقہ سے حدود سے تجاوز کرتے ہوئے جنگ پر آمادہ ہو اور

مظلوم گروہ کی مدد کرو۔ "فقاتلوا التي تبغي" یعنی جو زیادتی کرے اس سے قتال کرو اس لئے کہ وہ ظلم کرنے والا گروہ ہے "حتى تفيء إلى أمر الله" یعنی یہاں تک کہ وہ اللہ کا حکم مان لے اور ظلم و زیادتی ترک کر دے، اگر اس نے رجوع کر لیا اور توبہ کر لی تو ان دونوں کے درمیان پھر سے صلح کی کوشش کرو "بالعدل" عدل کے ساتھ ظلم یا کسی ایک کا ساتھ دئے بغیر "وأقسطوا" یعنی عدل و انصاف سے کام لو۔ "إنما المؤمنون إخوة" مومن دینی بھائی ہیں لہذا فریقین کے مابین صلح کراؤ، مظلوم کی اعانت کرو اور ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو۔ (۱)

امیر المومنین حضرت علیؑ کا مقصد اصلاح کی کوشش اور مسلمانوں کے انتشار و اختلاف کو دور کرنا ہی تھا، مسلمانوں کے دلوں سے بغض و عناد اور نفرت پیدا کرنے والی تمام چیزوں کو دور رکھنا مقصود تھا، اسی لئے امیر المومنین حضرت علیؑ ہر اس چیز سے دور رہے جو کہ نفرت اور صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی باعث بنتی، ایسی چیزوں میں سے ایک چیز ایک دوسرے کے بارے میں بد زبانی بھی ہے، اس لئے حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کے تمام افراد کو حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے لشکر پر لعن طعن کرنے اور برا بھلا کہنے سے منع کر دیا حالانکہ ان کے مابین معرکہ آرائی کا ماحول تھا۔

حضرت عبداللہ بن شریک سے مروی ہے فرماتے ہیں: حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق اہل شام سے براءت کرتے ہوئے اور ان پر لعنت کرتے ہوئے نکلے، حضرت علیؑ نے ان دونوں کو کہلوا دیا کہ مجھے تمہارے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے اس سے باز آجاؤ وہ

(۱) تفسیر مختصر مجمع البیان، ۳/۳۰۸، مزید دیکھئے تفسیر المعین - ہاں و متعلقات اور ... الکاشف، سورۃ الحجرات ۹-۱۰

دونوں حضرات آپؑ کے پاس آئے اور کہا اے امیر المومنین، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپؑ نے فرمایا کیوں نہیں، دونوں نے کہا، پھر آپ نے ہم کو انہیں برا بھلا کہنے سے کیوں منع کر دیا؟ آپؑ نے فرمایا مجھے تمہارے بارے میں یہ پسند نہیں ہے کہ تم لعنت کرنے والے اور برا بھلا کہنے والے بن جاؤ لیکن اگر تم ان کی غلطیاں بیان کرو اور یہ کہو کہ ان کا کردار ایسا ہے، یہ کہنا زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر ہے، ان پر لعنت کرنے اور ان سے براءت کا اعلان کرنے کے بجائے یہ کہو "اے اللہ ہمارے اور ان کے خون کو محفوظ رکھ۔ ہمارے اور ان کے مابین حالات کو درست فرما ان کو صحیح راہ پر آنے کی توفیق دے، یہاں تک کہ حق سے ناواقف شخص بھی اس سے حق کو جان لے، اور ظلم و زیادتی کرنے والا اور گمراہ باز آ جائے"۔ ایسا کہنا مجھے زیادہ پسند ہے اور تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے"۔(۱)

حضرت علیؑ کی جانب سے یہ ممانعت صرف اپنے ہی گروہ کے لئے نہیں تھی بلکہ یہ ممانعت واضح طور پر سب کے لئے تھی اور انہوں نے اپنے پورے لشکر کو اس کی وصیت کی تاکہ یہ ممانعت ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے عمومی رہے۔ اس لئے انہوں نے صفین میں بھی اپنے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "مجھے تمہارے بارے میں یہ بات ناپسند ہے کہ تم برا بھلا کہو، لیکن اگر تم ان کے کاموں کو بیان کرو اور ان کی اصل صورتحال کا تذکرہ کرو، یہ زیادہ بہتر اور مناسب ہے، ان کو گالی دینے کے بجائے یہ کہو، اے اللہ ہمارے اور ان کے خون کو محفوظ رکھ اور ہمارے اور ان کے مابین حالات کو درست فرما"۔(۲)

(۱) مستدرک الوسائل ۱۲/۳۰۶، بحار الانوار ۳۲/۳۹۹، وقعہ صفین ص ۱۰۳

(۲) نہج البلاغہ ص ۳۲۳، بحار الانوار ۳۲/۵۶۱

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد

جب حضرت علیؑ کو غدار خارجی ابن ملجم کے ہاتھوں شہید کیا گیا تو آپؑ کے صاحبزادہ حضرت حسنؑ سے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے بیعت کی گئی۔ انہوں نے جلد ہی مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کر دیا اور ان کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا ظہور ہوا۔

حضرت ابوبکر وتبیع بن حارث ثقفی سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔کو اس حال میں دیکھا کہ حضرت حسن بن علیؑ آپ کے پہلو میں تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی انکی طرف، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میرا یہ بیٹا سردار ہے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے مابین صلح کا کام لے"۔(۱)

امام حسن بن علیؑ نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی لگائی تھی کہ وہ لوگوں کے مابین کتاب و سنت اور خلفائے راشدین کے طریقہ کے مطابق فیصلہ کریں۔(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؑ اور معاویہؓ کے درمیان اخوت کا تعلق اور دینی شفقت و ہمدردی تھی حالانکہ دونوں کے مابین اعتقادی اختلاف بھی تھا، چنانچہ حضرت معاویہؓ جب بھی حضرت علیؑ کو ان کی شہادت کے بعد یاد کرتے تو ان کے غم میں

(۱) کشف الغمہ ۱/۵۱۹، بحار الانوار ۴۳/۲۹۸، عوالم العلوم ۱۰۳

(۲) کشف الغمہ ۱/۵۷۰، بحار الانوار ۴۴/۶۳

روتے اور ان کے لئے رحم کی دعا کرتے۔

اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے، کہتے ہیں کہ ضرار بن ضمرہ نہشلی حضرت معاویہ بن ابی سفیان کے پاس گئے تو حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا حضرت علیؓ کے اوصاف مجھ سے بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا کیا آپ مجھے معاف نہیں کریں گے، حضرت معاویہؓ نے کہا نہیں، آپ بیان کیجئے۔

حضرت ضرار نے کہا اللہ کی رحمت ہو حضرت علیؓ پر، خدا کی قسم ہمارے درمیان رہتے ہوئے وہ ایک عام آدمی کی طرح رہتے تھے، جب ہم ان کے پاس جاتے تو ہماری طرف متوجہ ہو جاتے، جب ہم ان سے سوال کرتے تو جواب دے دیتے، جب ہم ان کی زیارت کرتے تو ہم کو اپنے سے قریب کرتے، ہمارے لئے ان کو دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی دربان ان سے روکنے والا ہوتا۔ واللہ! ہمیں اتنا قریب کرنے کے باوجود ہم رعب اور ہیبت کی وجہ سے ان سے بات نہیں کر پاتے اور ان کی عظمت کی وجہ سے ہم بات شروع نہیں کر پاتے، جب وہ تبسم فرماتے تو لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح لگتے۔

یہ سن کر حضرت معاویہ نے کہا اور مزید ان کے اوصاف بیان کرو، حضرت ضرار نے کہا اللہ کی رحمت ہو حضرت علیؓ پر، خدا کی قسم بہت زیادہ شب بیداری کرنے والے اور کم سونے والے تھے رات میں اور دن کے مختلف اوقات میں کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے

راوی کہتے ہیں یہ سن کر حضرت معاویہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور کہا اے ضرار بس کرو، واللہ علی ایسے ہی تھے اللہ کی رحمت ہو ابوالحسن پر۔(۱)

(۱) بحار الانوار ۴۱/۱۴/۱۴ امالی اسعد ق ۶۲۳

یہ حال تھا ماضی میں ان دینی بھائیوں کا، ان کا اجتہادی اختلاف ان کے لئے ایک دوسرے پر رحم و شفقت کرنے اور اپنے دلوں کو بغض و عناد سے دور رکھنے میں مانع نہیں بنا، ماضی کے واقعات کو سمجھنے کے لئے تاریخ بہترین معاون ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایسے تمام اقوال کے بارے میں جو کنارہ رہا جائے جن کی بنیاد صرف برانگیختہ کرنے والے جذبات پر ہوتی ہیں جو مسلمانوں کو علاوہ رنج دینے کا ذریعہ بنتے ہیں اس کے بعد شیطان کی گمراہی اور اس کے اشکالات کے سوا کوئی چیز ان کے پاس نہیں ہوتی ہے، وہ ان کے لئے فیصلہ کن ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی امان میں رکھے۔

☆☆☆

چوتھا باب

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش

صحابہ کے دین میں ہونے والے اختلاف و انتشار کو ست سے مستشرقین اور ان سے متاثر ہونے والوں نے ان پر طعن و تشنیع کرنے اور ان کی عدالت کو مجروح کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

بہت سے قدیم و جدید مؤلفین نے بھی انہی کی طرح طعن و تشنیع کا رویہ اختیار کیا ہے، وہ ایسے لوگ ہیں جو جھوٹی باتوں سے دھوکہ کھاتے ہیں، ایسی باتیں لکھ دیتے ہیں جن کو وہ خود بھی نہیں جانتے ہیں اور ایسی چیزیں زبان سے بولتے ہیں جن کو وہ بولنا نہیں جانتے ہیں اور اس کے بعد وہ اپنے آپ کو صحابہ کرام کے بارے میں حاکم و فیصل بنا لیتے ہیں، ان میں سے بعض کو صحیح قرار دیتے ہیں اور بغیر کسی حجت و دلیل کے دوسروں کو غلط قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ صرف مستشرقین کی اتباع و پیروی میں کرتے ہیں۔

ان مؤلفین نے اپنے باطل اور اپنے بے بنیاد کلام کی تقویت کے لئے متعدد شبہات و اشکالات کا سہارا لیا ہے، تاریخ کو مسخ کر کے مسلمانوں کے مابین بغض و عناد اور اختلافات کے بیج بونے کے لئے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے، ان شبہات میں سے متعدد ذیل شبہات بطور مثال پیش کئے جا رہے ہیں

ا۔ صحابہ کرام کی عدالت کو مجروح کرنے کی سازش

مستشرقین نے ہمارے دین کے بارے میں بعض کمزور اور بے بنیاد شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی مثلاً ان کا یہ اعتراض کہ:

کیا کوئی بھی عقل مند انسان اس کو تسلیم کر سکتا ہے کہ انسان قرآن سے ماخوذ آئین، دستور، قانون اور منہج حیات ایسے انسانوں سے حاصل کرے جن سے غلطیاں ہوئی ہوں اور انسان ان کے احوال کے بارے میں غیر مطمئن ہو؟

اس طرح کے شبہات اور زہر آلود اشکالات عامۃ المسلمین کے ذہنوں میں پیدا کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی عام صحابی کو مورد الزام ٹھہرایا جائے، تاریخ نے جس کے بارے میں خاموشی اختیار کی یا بہت ہی کم پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہو، یا ان عام صحابہ کے بارے میں اتہام لگایا جائے جس سے لغزش ہوئی ہو اور اس نے اعتراف کر کے سر اپنی مانگی ہو یا کوئی ایسا شخص جس نے شراب پی ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد بھی جاری کر دی ہو، اسی طرح نہ ہی ان شبہات کے ذریعہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو نشانہ بنانا مقصود ہے جن سے ایک اجتہادی لغزش سرزد ہوئی تھی جب کہ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارے میں مطلع کرنے کی کوشش کی۔ ان سب حضرات نے تو اللہ سے توبہ کر لی تھی، انہوں نے استغفار و توبہ بھی کی اور بعض پر حد بھی قائم کی گئی اور اللہ ان سب سے راضی ہوا۔

لیکن ان شبہات اور طعن و تشنیع کا اصل نشانہ اکابر جلیل القدر صحابہ کرام ہیں۔ ان کے بارے میں جھوٹے اور بے بنیاد واقعات گھڑ کر اور ان کے مابین اختلافات کو مزید ہوا

ہے کہ اللہ کے دین متین کی روشنی کو بجھانے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے سب سے پہلے صحابہ کرام کی عدالت پر حملہ کیا جاتا ہے جس کے ذریعہ اللہ کی اس کتاب (قرآن کریم) کو مشکوک بنانا مقصود ہوتا ہے جس کو ان صحابہ کرام نے نقل کیا، محفوظ کیا۔ اسی طرح احادیث نبویہ کو مشکوک بنانا مقصود ہوتا ہے جن کے ذریعہ تشریع (قانون سازی) کا عمل مکمل ہوا، اس طریقہ سے کچھ مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف و تفریق پیدا کرنا اور ان کی بنیادوں میں تزلزل پیدا کرنے والے فتنوں اور بغض و عناد کو جنم دینا آسان ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کے مابین صحابہ کرام سے متعلق جس بے بنیاد احادیث کو عام کیا جا رہا ہے اس سے ان کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں، اس قسم کی احادیث مختلف کتب میں موجود ہیں۔

عجیب و غریب بات ہے کہ صحابہ کے مابین اختلاف و تفریق پر دلالت کرنے والی احادیث میں کوئی ایک بھی روایت صحیح نہیں ہے جس کی سند متصل ہو اور عادل، ثقہ روات نے اس کو بیان کیا ہو، لیکن ہمیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ

۱۔ صحابہ کرام کی تعریف متواتر کتاب اللہ اور سنت نبویہ میں موجود ہے اور اہل بیت کی زبانی بھی پورے شدت کے ساتھ موجود ہے۔

۲۔ یہ مقولہ کہ (نعوذ باللہ) صحابہ میں منافقین بھی تھے، جھوٹ اور افترا اندازی ہے، اس لئے کہ منافقین کا سرے سے صحابہ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور اکثر منافقین تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو شخصیات کے اعتبار سے بھی اور اوصاف کے اعتبار سے بھی معلوم تھے، اس لئے کہ قرآنی آیات نے ان کی جملہ حرکات و سکنات کو بیان کیا ہے، بلکہ ان کے قلبی امراض و خیالات کا پردہ بھی فاش کر دیا ہے۔

غزوۂ تبوک پر ہی ہم بطور مثال ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں، یہ آخری غزوات میں سے ہے، اس موقع پر ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ تھے جو کمزور اعذار کی بنا پر مثلاً رومیوں کی عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے یا اسی طرح کے دوسرے بے سر و پا اعذار کی وجہ سے مخلّفین میں رہے ایسے اعذار عموماً منافقین پیش کیا کرتے تھے، جب بھی جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا جاتا۔

قرآن کریم میں اس کا تذکرہ کئی مقامات پر کیا گیا ہے جب کہ صحابہ کی اکثریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکل گئی تھی اور مدینہ میں صرف وہ شخص باقی رہا جس کا نفاق معلوم تھا، یا جس کے پاس کوئی عذر شرعی تھا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہاں رہنے کی اجازت دی ہو۔

منافقین معروف و معلوم تھے، وہ صحابہ میں سے نہیں تھے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے مدینہ کے صرف ان تین لوگوں کی توبہ قبول کرنے کا ذکر کیا ہے جو بغیر کسی عذر شرعی کے غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور دنیا ان کے اخلاص اور صدق ایمانی کی بنیاد پر ہوا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے نہ نکلنے اور ان کی توبہ قبول ہونے کو یوں بیان کیا ہے: وعلى الثلاثة الذين خلفوا حتى اذا ضاقت عليهم الأرض بما رحبت وضاقت عليهم انفسهم وظنوا ان لا ملجأ من الله إلا إليه ثم تاب عليهم ليتوبوا ان الله هو التواب الرحيم (توبہ ۱۱۸)

ترجمہ "اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی

کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے"۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ سورہ توبہ کی ان آیات کے ذریعہ اہلِ مدینہ کو غزوہ تبوک کے بعد تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چوتھی قسم کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے چوتھی قسم وہ ہے جن کو مدینہ میں رہنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی، جیسے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اور وہ تنگدست لوگ جن کے پاس جہاد کی تیاری کے لئے کچھ میسر نہیں ہو سکا۔

سورہ توبہ کی ان آیات میں یہ مذکور ہے کہ رب رحمن نے ان صحابہ کی توبہ قبول کی جو معرکہ میں شریک تھے، پہلی آیت میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ پہلی قسم ہے، دوسری آیت میں مدینہ کے منافقین کو اس سے مستثنیٰ کیا جو غزوہ تبوک میں نہیں نکلے تھے، یہ دوسری قسم ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان تین صحابہ کرام کا تذکرہ کیا ہے جو غزوہ میں شریک نہیں ہو پائے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدق بیانی کی وجہ سے ان کی توبہ قبول فرمائی، یہ تیسری اور آخری قسم ہے۔

لہذا ان لوگوں میں نفاق کہاں سے آتا حالانکہ جو کچھ ہوا تھا اس پر تمام آیات واضح طور پر روشنی ڈالتی ہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے تھے ان کو اس بات کا خوف لگا رہتا تھا کہ کہیں نفاق میں مبتلا نہ ہوں۔

سلام بن مستنیر سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں ابوجعفر -علیہ السلام- کے پاس تھا اور ان کی خدمت میں حمران بن اعین حاضر ہوئے اور انہوں نے ان سے کچھ چیزوں کے

بارے میں سوال کیا، پھر جب حمران نے جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ابوجعفر سے کہا اللہ آپ کی عمر دراز کرے اور ہمارے اوپر آپ کا سایہ تادیر ہے، مجھے بتائیے ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو یہاں ہمارے دلوں میں رقت پیدا ہوتی ہے دنیا کے بارے میں ہمارے اندر بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور لوگوں کی دولت ہمارے لئے ہیچ ہو جاتی ہے، پھر اس کے بعد جب ہم آپ کے پاس سے نکلتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ اور تجارت میں مگن ہو جاتے ہیں تو دنیا ہمارے لئے محبوب بن جاتی ہے، کہتے ہیں اس کے بعد ابوجعفر نے کہا یہ دل ہیں جو کبھی سخت ہوتے ہیں اور کبھی نرم ہوتے ہیں، پھر ابوجعفر نے کہا جہاں تک صحابہ کرام کا تعلق ہے تو وہ کہا کرتے تھے اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو ہمارے بارے میں نفاق کا خوف ہے؟ آپؐ نے ان سے دریافت کیا کیوں اس کا خوف لاحق ہوا؟ انہوں نے جواب دیا جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں نصیحت کرتے ہیں اور ترغیب دیتے ہیں تو ہمارے دلوں میں خوف پیدا ہوتا ہے دنیا کو ہم بھول جاتے ہیں اور اس کے بارے میں بے رغبت ہو جاتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ ہم جنت و جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں، یہ اس وقت کی کیفیت ہوتی ہے جب کہ ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں جب ہم آپ کی مجلس سے نکلتے ہیں اور اپنے گھروں میں داخل ہوتے ہیں، اپنے بچوں کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں اور اہل و عیال اور بچوں کو دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ وہ کیفیت بدل گئی جو آپ کے پاس محسوس کرتے تھے، یہاں تک کہ ایسا لگتا ہے گویا کہ ایسی کیفیت ہی نہیں تھی کیا ہمارے بارے میں آپ کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہمارے اندر نفاق ہو؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہرگز نہیں یہ شیطان کے حربے ہیں تاکہ دنیا کے بارے میں تم کو ترغیب دے واللہ اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ رہو جو تم نے اپنے بارے میں

بیان کی ہے تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں اور تم پانی پر چلنے لگو، اگر تم گناہ نہ کرتے اور اس کے بعد استغفار نہ کرتے ہوتے تو اللہ کسی اور کسی مخلوق کو پیدا کرتا جو گناہ کریں پھر استغفار کریں، اور اللہ ان کی مغفرت کرے، مومن فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا ہے "ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین" ترجمہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے اور طہارت حاصل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ" (ہود ۳)
یعنی اپنے رب سے استغفار کرو اور پھر اس کی طرف متوجہ ہو۔(۱)

۳۔ تمام صحابہ اجماع کے بارے میں معصوم تھے، یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کے بارے میں اجماع کر کے اس کو حلال کریں اور اس پر عمل کریں، جہاں تک ان میں سے بعض افراد سے لغزشوں کے وقوع کا تعلق ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انفرادی طور پر وہ معصوم نہیں ہیں، لیکن یہ لغزشیں ان کی عدالت کے سلسلہ میں قادح نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے مقام و مرتبہ پر اثر انداز ہونے والی ہیں۔

بالعموم ان کی عدالت پر دلالت کرنے والی سب سے اہم دلیل یہ ہے کہ ائمہ نے صحابہ کی ان تمام روایات کی جانچ پڑتال کی جو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں، پوری تحقیق کے بعد کسی صحابی کے بارے میں کوئی ایک بھی معمولی جھوٹ تک ثابت نہیں ہوا جو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بولا ہو، حالانکہ

(۱) الکافی ۴۲۳/۲، ح ۱ (باب اللمم)، تفسیر العیاشی ۱/ ۱۰۹، وسائل الشیعہ ۲۱۷/۲

ان کے عہد کے اخیر میں قدریہ، خوارج اور مرجئہ کی جانب سے بدعات کا کافی ظہور ہو چکا تھا، اور ان سب بدعات کی بنیاد کمزور عقل اور فاسد رائے کو فیصل و حاکم بنانا تھا لیکن اس کے باوجود ان مبتدعین میں ایک بھی صحابی نہیں پائے گئے اس سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب فرمایا، ان کی حفاظت فرمائی، ان کو ممتاز مقام سے نوازا، ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب فرمایا اور انھوں نے اللہ کے دین کو دنیا کے اندر عام کیا۔

ابو عبد اللہ۔ رضی اللہ عنہ۔ فرماتے ہیں "صحابہ کرام کی تعداد بارہ ہزار تھی، آٹھ ہزار کا تعلق مدینہ سے تھا اور دو ہزار کا تعلق مکہ سے اور دو ہزار کا تعلق طلقاء سے تھا، لیکن ان میں سے نہ کوئی قدری تھا، نہ مرجئی، نہ حروری، نہ معتزلی اور نہ ہی رائے کی پیروی کرنے والا، دن رات ان کی آنکھیں اشکبار رہتیں اور کہتے رہتے اے اللہ فتنوں کے ظہور سے پہلے ہماری روح قبض فرما۔(۱)

امام صادق علیہ السلام نے صحابہ کرام کی عدالت کو بیان کیا ہے کیونکہ وہ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ تمام صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو صدق و صفائی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

منصور بن حازم سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا میں جب آپ سے کسی مسئلہ کے بارے میں دریافت کرتا ہوں تو آپ مجھے اس کا ایک جواب دیتے ہیں، اس کے بعد کوئی اور شخص آپ کے پاس آتا ہے تو آپ اس کو دوسرا جواب دیتے

(۱) الخصال ۲/ ۶۳۹، بحار الانوار ۳۰۵/۲۲

میں؟ انہوں نے کہا ہم لوگوں کو کمی و زیادتی کے ساتھ جواب دیتے ہیں، کہتے ہیں میں نے ان سے دریافت کیا مجھے صحابہ کرام کے بارے میں بتایئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صدق بیانی سے کام لیا، یا جھوٹ بولا؟ انہوں نے کہا بلکہ انہوں نے تو صدق بیانی سے کام لیا، کہتے ہیں میں نے پوچھا پھر ان کے درمیان اختلاف کیوں ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو جواب دیا کرتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد اس کو دوسرا جواب دیتے تھے جس سے پہلا جواب منسوخ ہوتا۔ اس لئے احادیث کے ذریعہ بھی بعض احادیث منسوخ ہوتی ہیں۔"(۱)

اگر کوئی مدعی -علی سبیل المثال- صحابہ کرام سے جھوٹ کے وقوع کے بارے میں یا ان کے دلوں میں نفاق پائے جانے کی کوئی دلیل لے کر آئے تو اس سے سب سے پہلے یہ سوال کیا جانا چاہئے اس دعوی سے نص کے متعلق ہونے کی دلیل کیا ہے؟

۴- صحابہ کے عادل ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ وہ ہر قسم کی لغزشوں سے بھی بالکل معصوم ہوں، اس لئے کہ وہ بشر ہیں، ان سے خطاؤں کا بھی امکان ہے، اگرچہ ان کی خطائیں ان کی نیکیوں کے سمندر کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔

ان کو ایسے فضائل و مقامات حاصل ہیں جس میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے، انہوں نے ہی اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و مدد کی جب کہ تمام عرب کے

(۱) الکافی ۱/۶۵، بحار الانوار ۲/۲۲۸

لوگ آپ کے خلاف صف آرا تھے، انہوں نے اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اپنے آباء، اپنے بھائی اور اپنے خاندان کے لوگوں سے جنگ کی، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی جانیں قربان کیں، ہم تک اس عظیم دین کے پہنچنے کا اصل ذریعہ یہی صحابہ کرام ہیں، یہی چیز ان کی تمام خطاؤں کے لئے کفارہ ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: "فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الأمر فإذا عزمت فتوكل على الله إن الله يحب المتوكلين" (آل عمران: ۱۵۹)

ترجمہ: "اے پیغمبر! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے، ان کے قصور معاف کردو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں"۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں: "اگر عدالت اس کو مجروح کرنے والی کسی چیز کے ارتکاب سے ختم ہو جاتی ہے تو بالاتفاق توبہ کرنے سے پھر ایسا شخص عدالت کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص پر کسی معصیت کی وجہ سے حد جاری کردی گئی اس کے بعد اس نے توبہ کی تو وہ پھر مرتبہ عدالت پر فائز ہوگا اور اس کی گواہی مقبول ہوگی، بعض لوگوں نے اس کے سلسلہ میں اجماع ہونے کا تذکرہ کیا ہے"۔(۱)

(۱) بحار الانوار ۸۵/۳۰

سید ابو القاسم خوئی کہتے ہیں "معصیت کے ارتکاب سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور ندامت و توبہ سے انسان دوبارہ مرتبہ عدالت پر فائز ہو جاتا ہے اس میں گناہ صغیرہ یا کبیرہ کی کوئی تفریق نہیں ہے"۔(۱)

سید محمد حسین فضل اللہ معاصرین کی عدالت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے صحابہ کے مقابلہ میں ان کا مقام کہیں کم ہے "عدالت عصمت کو مستلزم نہیں ہے، بسا اوقات ایک عادل مومن سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے، پھر متنبہ ہونے کے بعد تائب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی کے اس قول کا مصداق ہوتا ہے "إن الذين اتقوا إذا مسهم طائف من الشيطان تذكروا فإذا هم مبصرون"۔ (الأعراف ۲۰۱)

ترجمہ: حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جائے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لئے صحیح طریق کار کیا ہے۔"

البتہ عدالت کا ثبوت کیسے ہوگا؟ معاشرہ میں ظاہری عمومی طرز عمل کے ذریعہ اس کا ثبوت ہوگا، اس طور پر کہ لوگ اسے ایک ایسا انسان سمجھتے ہوں جو دینی اعتبار سے انفرادی اور اجتماعی اخلاق کے اعتبار سے شرعی حدود کی پاسداری کرتے ہوئے صحیح راہ پر گامزن ہو، یا لوگوں میں اس کی عدالت کا اتنا چرچا ہو کہ اس سے علم یقینی یا اطمینان حاصل ہو جائے، یا اس کی عدالت کی گواہی کوئی قابل اعتماد انسان دے، خواہ کسی ایک کی یا اجمالی گواہی کا کوئی اعتبار کریں"۔(۲)

(۱) منہاج الصالحین ۲/۶ (۲) المسائل الفقہیہ ۱۶۷/۲

۲- صحابہ کی سیرت کو داغدار کرنے کی کوشش

گذشتہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ مستشرقین اور مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کرنے والے اعدائے اسلام نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے متنوع خطرناک حربے استعمال کیے ہیں، ان کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و حیات کو داغدار کرنا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے وہ تمام وسائل و ذرائع کو جائز سمجھتے ہیں، اس کے خطرناک نتائج اور المناک اثرات مرتب ہوئے، مثلاً ان پر طعن و تشنیع کرنے، ان کو برا بھلا کہنے اور من گھڑت باتوں کو ان کی جانب منسوب کرنے کو جائز سمجھ لیا گیا۔

گذشتہ اسالیب و ذرائع کے علاوہ اور بھی ناپاک حربے اختیار کیے گئے ہیں، مندرجہ ذیل سطور میں ان پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں

۱- مختلف بے بنیاد واقعات گڑھے گئے، کسی ایک صحابی کے بارے میں بھی اور متعدد صحابہ کرام کے بارے میں بھی۔

۲- صحیح واقعات میں حذف و اضافہ سے کام لیا گیا، یا اس کو ایسی حدیث کی کتابوں کی جانب منسوب کیا گیا جن میں یہ موجود نہیں ہیں۔

۳- قرآن پاک اور احادیث میں مذکور صحیح واقعات کی غلط تاویلات اور تشریحات کی گئیں جو ان کی خواہش، اعتقادات اور بدعات و خرافات سے میل کھاتی ہوں جیسے کہ اللہ تعالی نے اس قسم کی تاویلات کے بارے میں پہلے ہی متنبہ فرما دیا ہے "هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن أم الكتاب وأخر متشابهات، فأما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة

وابتغاء تاويله وما يعلم تاويله إلا الله ' (آل عمران ۷)

ترجمہ "وہی خدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے، اس کتاب میں دو طرح کی آیتیں ہیں ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات، جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

۴- صحابہ کی لغزشوں کو پھیلانے، عام کرنے اور ان کو نمایاں کر کے پیش کرنے کا کام کیا گیا اور ایمان لانے اور تربیت کے بعد ان کی اچھائیوں، قربانیوں اور عظیم جہاد پر پردہ پوشی کی گئی، ان کو ظاہر نہیں ہونے دیا گیا۔

۵- خود ساختہ اشعار پیش کئے گئے اور ان کو نمایاں شخصیات کی جانب منسوب کیا گیا، یہ اشعار ایسے ہوتے ہیں جو ان کے مشن یعنی مسلمانوں کے مابین فتنہ انگیزی کا کام کرتے ہیں، خاص طور پر بہت سے اقوال اور اشعار امیر المومنین حضرت علیؓ کی جانب غلط منسوب کیے گئے۔(۱)

(۱) دیکھئے بحار الانوار ۲۰/۲۲، ۱۱۸، ۱۲۹، ۲۳۶، ۲۶۳، ۲۱، ۳۵/۲۵۱، مستدرک الوسائل ۱۱۹/۱۱۶، ۷۵)

پانچواں باب

صحابہ کرام کے بارے میں صحیح موقف

صحابہ کرام کے بارے میں صحیح موقف - جو افراط و تفریط اور غلو وبے ادبی سے پاک ہو- اعتدال و وسطیت کا موقف ہے، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے "وکذلک جعلناکم امة وسطا" (البقرہ ۱۴۳) اور اسی طرح سے تم مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا ہے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم تمام صحابہ کرام- رضوان اللہ علیہم اجمعین- خاص طور پر مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کے ساتھ محبت وعقیدت رکھیں، اسی طرح ان کے ساتھ بھی جنہوں نے احسان کے ساتھ ان کی اتباع و پیروی کی، ہم ان کے فضل وکمال، ان کے خصائص و درجات کا لحاظ کریں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود قرآن پاک میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں ان کے بارے میں بیان فرمایا ہے، اور انکے مشاجرات کے سلسلہ میں سکوت اختیار کریں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ کی شہادت کے بعد ان کے مابین جو کچھ پیش آیا اس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھیں کہ اس کی بنیاد تاویل واجتہاد ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے بارے میں یہ سمجھتا تھا کہ میں ہی حق پر ہوں جیسے کہ حضرت علیؓ اپنے گروہ کے افراد سے کہا کرتے تھے "ہم ان سے اس وجہ سے نہیں لڑتے ہیں کہ ہم ان کی تکفیر کرتے ہوں اور نہ ہی اس لئے لڑتے ہیں کہ انہوں نے ہماری تکفیر کی ہو، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہی حق پر ہیں"۔(۱)

(۱) قرب الاسناد ص ۴۵، بحار الانوار ۳۲/۳۲۴

اسی لئے ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم ائمہ کے نقش قدم پر چلیں، نہ ہم ان پر طعن و تشنیع کریں اور نہ ہی صحابہ کرام میں سے کسی کو برا بھلا کہیں تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مصداق بن سکیں "والذین جاءو من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم" (الحشر ۱۰)

ترجمہ: اور جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لئے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب تو بڑا مہربان اور رحیم ہے"۔

شیخ محمد باقر ناصری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"والذین جاءو من بعدھم" یعنی جو ان کے بعد مہاجرین و انصار اور قیامت تک آنے والے لوگ آئے "یقولون ربنا اغفرلنا" یعنی دعا کرتے ہیں اور اپنے لئے اور ان سے پہلے ایمان لاتے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں "ولا تجعل فی قلوبنا غلا" یعنی ہمارے دلوں سے مومنین کے لئے عداوت اور کینہ و بغض دور فرما" اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص مومن سے بغض رکھے اور اس کے ایمان کی وجہ سے اس کے ساتھ برے سلوک کا ارادہ کرے تو ایسا شخص کافر ہے اور اگر ایمان کی وجہ سے نہیں بلکہ اور کسی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو وہ فاسق ہے"۔(۱)

شیخ محمد السبزواری نجفی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

(۱) تفسیر مختصر مجمع البیان، مزید دیکھیے الکاشف المنیر سورۃ الحشر ۱۰

"والذین جاءو من بعدھم" یعنی جو ان کے بعد آئے اور ان سے مراد قیامت تک ان کے بعد ایمان لانے والے ہیں "یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان" یعنی وہ اپنے لئے اور ان سے پہلے ایمان لانے والوں کے لئے مغفرت اور گناہوں کی معافی کی دعا کرتے ہیں" "ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا" یعنی ہمارے دلوں کو بغض و کینہ نفرت اور دھوکے سے محفوظ رکھ تاکہ ہمارے دل ان کے لئے تیری چاہت" "ربنا انک رؤف رحیم" یعنی اے ہمارے رب تو ہماری خطاؤں کو معاف فرمانے والا ہے اور رزق و مغفرت کے ذریعہ ہم پر شفقت فرمانے والا ہے"۔(۱)

اللہ کی رحمت ہو عبادت گزار امام زین العابدین علیہ السلام پر کہ انہوں نے ہمارے لئے ایک بہترین منہج طریقہ متعین فرمایا جس پر ان کے احباب و متبعین عمل کریں یہ اس وقت جب کہ ان کی خدمت میں عراق کے لوگوں کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں کچھ نازیبا باتیں کیں جب وہ کہہ چکے تو انہوں نے ان سے کہا مجھے بتاؤ کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولئک ھم الصادقون"۔(الحشر ۸)

ترجمہ (نیز وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں

(۱) تفسیر الجدید سورۃ الحشر ۱۰

اور جائیدادوں سے نکال باہر کئے گئے ہیں، یہ لوگ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت پر کربستہ رہتے ہیں، یہی راست باز لوگ ہیں"۔

انہوں نے کہا نہیں ہمارا تعلق اس گروہ سے نہیں ہے، اس کے بعد ان سے پوچھا کیا تم ان لوگوں میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "والذین تبوؤ الدار والإیمان من قبلھم یحبون من ھاجر إلیھم ولا یجدون في صدورھم حاجة مما أوتوا ویؤثرون علی أنفسھم ولو کان بھم خصاصة"۔ (الحشر ۹)

ترجمہ (وہ مال ان لوگوں کے لئے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے، یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔

انہوں نے جواب دیا نہیں، اس کے بعد ان سے پوچھا تم نے تو ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک میں داخل ہونے سے براءت کا اظہار کر لیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "والذین جاءوا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا إنک رءوف رحیم"۔ (الحشر ۱۰)

ترجمہ اور جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہمیں اور ہمارے ان سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں

میں اہل ایمان کے لئے کوئی بغض نہ رکھ، اے ہمارے رب تو بڑا مہربان اور رحیم ہے"۔

اس کے بعد ان سے کہا میرے پاس سے نکل جاؤ، اللہ ہی تم سے نمٹ لے"۔(۱)

اس موقع پر ہم کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی مستحضر کر لینا چاہئے "تلک أمة قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون" (بقرہ ۱۳۴) ترجمہ: وہ کچھ لوگ تھے، جو گذر گئے، جو کچھ انہوں نے کیا، وہ ان کے لئے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہے تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے"۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے محمد جواد مغنیہ کہتے ہیں

یہ آیت ایک عام اصول کی جانب رہنمائی کرتی ہے، وہ یہ کہ اعمال کے نتائج واثرات بروز قیامت صرف عمل کرنے والے ہی کو حاصل ہوں گے، اس عمل کرنے والے سے منسوب لوگوں کو اس کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا اگر وہ خیر کے اعمال ہوں گے، اسی طرح دوسرے کو اس کا ضرر بھی لاحق نہیں ہوگا، اگر وہ شر ہوں گے۔ اسلام میں اس اصول کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے، مثلاً سورہ انعام کی آیت ۱۶۴ میں "ولا تزر وازرة وزر أخری" ترجمہ "کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔

اسی طرح سورہ نجم کی آیت ۳۹ میں "وأن لیس للإنسان إلا ما سعی" ترجمہ" اور یہ کہ انسان کے لئے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہے"۔

اسی طرح رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے یہ کہنا "اے فاطمہ! عمل کرو اور یہ مت سوچو کہ میں محمد کی بیٹی ہوں، کیونکہ میں تم کو اللہ کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہوں"۔ اسی طرح سے اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، اس موضوع کی جملہ تفصیلات کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہم آج تک واضح

(۱) کشف الغمہ ۳/۸۷

تریں اور بدیہی ترین چیزوں سے بھی ناواقف و جاہل ہیں۔(۱)

اہل بیت اور صحابہ کرام کے مابین محبت الفت اور تعلق کو سمجھنے کے لئے آئندہ کی تفصیلات سے اور زیادہ وضاحت ہوتی ہے۔

☆☆☆

( ) تفسیر الکاشف سورہ بقرہ آیت ۳۲

چھٹا باب

صحابہ اور اہل بیت کے مابین رشتہ داریاں

اعدائے اسلام اور بعض ناواقف لوگ ایسے تاریخی حقائق کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تھے جو صحابہ کے مابین پائی جانے والی محبت ومودت پر دلالت کرتے ہیں، اس لئے صحابہ کے مابین ناموں میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے اور ان کے مابین رشتے اور تعلقات بھی پائے جاتے ہیں۔

ان پاکیزہ نفوس نے دنیاوی مفادات یا عالی مناصب ومراتب کے حصول یا مال ودولت کے لالچ میں اپنی اولاد کے نام نہیں رکھے تھے، اور نہ ہی ان کی شادی اس غرض سے کی تھی، انہوں نے ان شخصیات کے نام سے اپنی اولاد کو موسوم کیا ہے جن کی اقتداء کی جاتی ہے اور اپنی بیٹیوں کو ایسے مبارک لوگوں کی زوجیت میں دیا جو پاکیزہ و اعلیٰ صفات کے حامل تھے اور انہی صفات کا حصول ان کا بھی مقصود تھا، ان کا یہ عمل سید البشر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی مکمل اتباع کا نتیجہ تھا، اہل بیت اپنے مخلص متبعین کو بھی اسی منہج کے اختیار کرنے کی وصیت کرتے تھے۔

ابراہیم بن محمد ہمدانی سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے ابوجعفر کو شادی کرنے کے سلسلہ میں لکھا تو ان کی طرف سے ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جب تمہارے پاس ایسے شخص کا پیغام آئے جس کے اخلاق ودین پر تم مطمئن ہو تو اس سے شادی کر دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم

برپا ہو جائے گا "۔(۱)

امام رضا سے منقول ہے کہ اگر آپ کے پاس کسی ایسے شخص کا پیغام آئے جس کے دین واخلاق پر تم مطمئن ہو تو اس سے شادی کرو، اس کا فقر وفاقہ تمہارے لئے رکاوٹ نہ بنے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ" (نساء، ۱۳۰)

ترجمہ "اگر دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا"۔(۲)

حضرت ابو عبد اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رکھی ہے جس کی ضرورت ہو اور اس کی تعلیم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دی ہو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سکھائی ہوئی باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا لوگو! میرے پاس لطیف وخبیر کی جانب سے جبریل امین آئے اور فرمایا دوشیزائیں درخت پر پھلوں کی مانند ہیں، جب پھل تیار ہو جائیں اور ان کو توڑا نہ جائے تو دھوپ انکو خراب کر دے گی اور ہوائیں ان کو گرا دیں گی، یہی حال دوشیزاؤں کا بھی ہے جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں ان کا علاج نکاح کے علاوہ کچھ نہیں ہے ورنہ ان کے بارے میں فساد کا اندیشہ ہے کیونکہ وہ بشر ہیں، فرماتے ہیں یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں کس سے نکاح کروں؟ آپ نے فرمایا کفو سے، اس نے کہا اے اللہ کے رسول! کفو کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمام مومن آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں۔(۳)

(۱) الکافی ج۵ ص۳۴۷ تہذیب الاحکام ج۷ ص۳۹۶ وسائل الشیعہ ج۱۴ ص۷۷

(۲) فقہ الرضا ص۲۳۵ مستدرک الوسائل ج۱۴ ص۱۸۸ بحار الانوار ج۱۰۳ ص۳۷۲

(۳) الکافی ج۵ ص۳۳۷ تہذیب الاحکام ج۷ ص۳۹۷، وسائل الشیعہ ج۲۰ ص۶۱

صادق علیہ السلام کا قول ہے "کفو یہ ہے کہ وہ عفیف وپاکدامن ہو اور اس کے پاس استطاعت وگنجائش ہو"۔(۱)

اہل بیت نے اپنی اولاد کو ناصبیوں اور کبائر کا ارتکاب کرنے والوں خاص طور پر کفار، منافقین اور مرتدین سے نکاح کرنے سے ڈرایا۔

حضرت ابو عبد اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مومن کسی ناصبی عورت سے شادی نہ کرے"۔(۲)

حضرت ابو عبد اللہ سے مروی ہے انہوں نے فضیل سے کہا کیا ناصبیہ سے شادی کی جا سکتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں اور نہ ہی کرامت ہے، میں نے کہا میری جان آپ پر فدا ہو، واللہ! میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں اگر مجھے گھر بھر کر درہم بھی دے جائیں تب بھی میں ایسا نہیں کروں گا۔(۳)

حضرت ابو عبد اللہ ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کرنا بہتر ہے یا یہ کہا ناصبی یا ناصبیہ سے نکاح کرنے سے بہتر ہے۔(۴)

احمد بن محمد نے ابو عبد اللہ سے نقل کیا ہے "جس نے اپنی شریف بیٹی کو شراب خور کے عقد میں دیا اس نے اس کے ساتھ قطع رحمی کی"۔(۵)

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ ج۳ ص۳۹۳

(۲) الکافی ج۵ ص۳۴۸ الاستبصار ج۳ ص۱۸۳ وسائل الشیعہ ج۲۰ ص۵۴۹

(۳) الکافی ج۵ ص۳۴۸ (۴) کافی ج۵ ص۳۵۱

(۵) کافی ج۵ ص۳۴۷ تہذیب الاحکام ج۷ ص۳۹۸ وسائل الشیعہ ج۲۰ ص۷۹ عوالی اللآلی ج۳ ص۳۴۱

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جس نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی فاسق سے کر دیا اس پر ہر روز ہزار لعنتیں برستی ہیں، اس کا کوئی عمل صعد اللہ مقبول نہیں ہوتا ہے اس کی عاقبول نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا کوئی عمل یا فدیہ قبول کیا جائے گا“۔(۱)

ابو عبداللہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”شراب خور اگر پیغام نکاح دے تو اس سے شادی نہ کی جائے۔“(۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جس نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی شراب خور سے کیا گویا کہ اس نے اس کو بدکاری کی طرف دھکیل دیا“۔(۳)

حسین بن بشار واسطی سے منقول ہے کہتے ہیں کہ میں نے ابو الحسن رضا علیہ السلام کو ایک خط لکھا اور پوچھا میرے ایک قریبی رشتہ دار نے مجھے پیغام نکاح دیا ہے لیکن اس کے اخلاق صحیح نہیں ہیں، انہوں نے جواب دیا ”اگر وہ بد خلق ہے تو اس سے شادی مت کرو“۔(۴)

ان روایات کو پڑھنے کے بعد یہ ایک نا معقول بات معلوم ہوتی ہے اور یہ محال ہے کہ پاکیزہ اہل بیت ایسا اقدام کریں کہ اپنی بیٹیوں کا نکاح ایسے لوگوں کے ساتھ کریں جو عقیدہ، دین، اخلاق کے اعتبار سے مطعون ہوں۔

اس اہم ترین قضیہ میں اس کے اہتمام کرنے کے سلسلہ میں سب سے بڑی دلیل

(۱) ارشاد القلوب ۱/۱۷۴، مستدرک الوسائل ۱۵/۲۷۵
(۲) الکافی ۵/۳۴۸، تہذیب الاحکام ۷/۳۹۸، وسائل الشیعہ ۲۰/۷۹، امالی الطوسی ص ۲۰، ۳۶۱
(۳) مستدرک الوسائل ۱۴/۱۹۱
(۴) الکافی ۵/۵۶۳، من لا یحضرہ الفقیہ ۳/۴۰۹، وسائل الشیعہ ۲۰/۸۱، مستدرک الوسائل ۱۴/۱۹۲، بحار الانوار ۱۰۰/۲۳۴

یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے حضرت فاطمہ کا نکاح کرانے میں اپنے اپنے اعتبار سے کوشش کی، یہ ان کی جانب سے صرف خیر خواہانہ اور خیر پر مبنی عمل تھا۔

ضحاک بن مزاحم سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں نے علی بن ابی طالب کو فرماتے ہوئے سنا ”میرے پاس ابوبکر و عمر آئے اور ان دونوں نے کہا اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور ان سے فاطمہ کا تذکرہ کریں“۔(۱)

دو جلیل القدر صحابہ کی جانب سے حضرت علیؓ کو مشورہ دینے سے صحابہ کی اس رغبت و خواہش کا اظہار ہوتا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں۔

کیونکہ حضرت علیؓ کی معاشی حالت بہت اچھی نہیں تھی تو آپ کے ساتھی صحابہ نے شادی کے سلسلہ میں کسی طرح کے بخل یا پس و پیش سے کام نہیں لیا۔

شادی کے سلسلہ میں جن لوگوں نے حضرت علیؓ کی معاونت و مدد کی حضرت عثمان بن عفانؓ بھی ان میں سے ایک ہیں۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو الحسن! ابھی جاؤ اور اپنی زرہ بیچ کے آؤ اور اس کی قیمت میرے پاس لے کر آؤ تاکہ میں تمہارے لئے اور اپنی بیٹی فاطمہ کے لئے کچھ ضرورت کی چیزیں مہیا کر دوں، حضرت علی کہتے ہیں میں نے اپنی زرہ لی اور اس کو لے کر بازار چلا گیا، میں نے اسے چار سو

(۱) دیکھئے امالی الطوسی ص ۳۹، حار ۱۹ ص ۹۳/۴۳

درہم میں عثمان بن عفان کو بیچا، جب میں نے ان سے درہم وصول کر لئے اور انہوں نے مجھ سے زرہ لے لی تو انہوں نے کہا علی! کیا میں اس زرہ کا تم سے زیادہ حقدار نہیں ہوں اور تم درہم کے مجھ سے زیادہ حقدار ہو؟ میں نے جواب دیا کیوں نہیں، انہوں نے کہا یہ زرہ میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے، اس کے بعد میں نے زرہ بھی اور درہم بھی لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، میں نے زرہ اور درہم آپ کے سامنے ڈال دئے اور میں نے حضرت عثمان کا پورا معاملہ آپ کو سنایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔"(۱)

بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ حضرت فاطمۃ الزہراء کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نگرانی میں بعض ضروریات کی اشیاء خرید دیں"۔(۲)

لہذا خلفائے ثلاثہ کا بطور خاص اور دیگر صحابہ کا بالعموم ۔ جن کی موجودگی میں حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہ الزہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ۔ اس مبارک عقد کی تکمیل میں اہم ترین رول رہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشا فرمایا جاؤ اور ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور اتنے ہی انصار کو بلا کر لاؤ، کہتے ہیں میں گیا اور میں نے ان سب کو بلا لیا، جب وہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا میں تم سب کو گواہ

(۱) کشف الغمہ ۱/۳۵۸، بحار الانوار ۴۳/۱۳۰
(۲) آمالی الطوسی ص ۴۰، بحار الانوار ۴۳/۹۴

بناتا ہوں کہ میں نے فاطمہ کو علی کی زوجیت میں چار سو مثقال چاندی کے عوض میں دیا"۔(۱)

قارئین کرام سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اہل بیت اس بات کے سب سے زیادہ حریص تھے کہ اپنے بچوں کی شادی اہل صلاح وتقویٰ کے ساتھ ہی کریں، اسی طرح وہ فساق وفجار کے عقد میں اپنے بچوں کو دینے سے سب سے زیادہ دور رہتے تھے، خاص طور پر باطنیوں اور مرتدوں سے جو یہ دعویٰ کرے کہ انہوں نے ۔نعوذ باللہ ۔ کسی مرتد یا منافق یا فاسق سے نکاح کیا تو ایسا شخص سب سے بڑا افترا پرداز ہے اور ان پر قول وفعل میں عدم مطابقت اور مخالفت کا الزام لگاتا ہے حالانکہ اسی بات پر بنی اسرائیل اور دوسرے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے "أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم وأنتم تتلون الكتاب أفلا تعقلون" (البقرہ ۴۴) ترجمہ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، تم عقل نہیں رکھتے ہو۔

اہل بیت سے محبت کرنے والا ان کا احترام کرتا ہے اور ان کے حق میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ انہوں نے عادل وصالح شخص سے ہی شادی کی۔

مندرجہ ذیل سطور میں اہل بیت کی خاص رشتہ داریاں اور ان کے نام بیان کئے جارہے ہیں تاکہ اس سے اندازہ کیا جاسکے کہ اہل بیت اور صحابہ کے درمیان کتنی محبت والفت اور باہمی تعلقات تھے، اہل بیت صحابہ کرام کے صلاح وتقویٰ کے معتقد تھے، اس لئے انہوں نے ان کے ہاں شادیاں کیں اور اپنے بچوں کو ان کے نام سے موسوم کیا۔

(۱) کشف الغمہ ۱/۳۴۹، بحار الانوار ۴۳/۱۱۹

۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کی ازواج میں

حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق، حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب، حضرت رملہ بنت ابی سفیان۔

آپ کے داماد

حضرت علی بن ابی طالب آپؑ نے حضرت فاطمہ سے شادی کی۔

حضرت عثمان بن عفان آپؓ نے آپ کی دو بیٹیوں حضرت رقیہ اور پھر حضرت ام کلثوم سے شادی کی۔

ابو العاص بن ربیع آپ نے حضرت زینبؓ سے شادی کی۔

۲) حضرت علی بن ابی طالب۔ علیہ السلام۔

آپؓ کی ازواج

حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد

حضرت اسماء بنت عمیس یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیوہ تھیں۔

حضرت امامہ بنت ابی العاص بن ربیع، آپ کی والدہ حضرت زینب بنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ کی اولاد میں

ابوبکر، عمر اور عثمان نام کے بچے بھی تھے۔

آپؓ کے داماد

حضرت عمر بن خطاب آپؓ نے حضرت علی کی بیٹی حضرت ام کلثوم سے شادی کی

عبدالرحمن بن عامر بن کریز اموی آپؓ نے حضرت علیؓ کی بیٹی حضرت خدیجہ سے شادی کی

معاویہ بن مروان بن حکم آپ نے حضرت علیؓ کی بیٹی رملہ سے شادی کی

منذر بن عبیدہ بن زبیر بن العوام آپ نے حضرت علیؓ کی بیٹی فاطمہ سے شادی کی

۳) عقیل بن ابی طالب۔

آپ کی اولاد میں عثمان ہیں۔

۴) حسن بن علی بن ابی طالب۔

آپ کی ازواج میں

ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تمی۔

حفصہ بنت عبدالرحمن بن ابی بکر۔

آپ کی اولاد میں

ابوبکر، عمر اور طلحہ ہیں۔

آپ کے دامادوں کے نام

حضرت عبداللہ بن زبیر بن العوام آپؓ نے حضرت حسن کی بیٹی ام الحسن سے شادی کی۔

عمرو بن زبیر بن العوام، آپ نے حضرت حسن کی بیٹی رقیہ سے شادی کی۔
جعفر بن مصعب بن زبیر، آپ نے حضرت حسن کی بیٹی ملیکہ سے شادی کی۔

۵) حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں

لیلیٰ بنت ابی مرۃ (ان کی والدہ حضرت میمونہ بنت ابی سفیان تھیں)
ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تیمی۔

آپ کی اولاد میں

ابو بکر اور عمر ہیں۔

آپ کے داماد:

عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان، آپ نے حضرت حسین کی صاحبزادی فاطمہ سے نکاح کیا۔

مصعب بن زبیر بن العوام، آپ نے حضرت حسین کی صاحبزادی سکینہ سے نکاح کیا۔

۶) اسحاق بن جعفر بن ابی طالب۔

آپ کی ازواج میں

ام حکیم بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق تھیں۔

۷) عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب۔

آپ کی اولاد میں

ابو بکر معاویہ ہیں۔

آپ کے داماد عبد الملک بن مروان ہیں۔

۸) علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (زین العابدین)

آپ کی کنیت ابو بکر ہے آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۹) زید بن حسن بن علی بن ابی طالب

آپ کے داماد ولید بن عبد الملک بن مروان ہیں۔

۱۰) حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں امیہ بنت عمرو بن منذر بن زبیر بن العوام تھیں۔

۱۱) حسن (مثنیٰ) بن حسن بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں رملہ بنت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل عدویہ ہیں۔

آپ کے داماد ولید بن عبد الملک بن مروان ہیں، ان کی بیٹی زینب سے شادی کی

۱۲) محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۱۳) محمد (باقر) بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق ہیں۔

۱۴) موسیٰ (الجون) بن عبد اللہ المحض بن حسن بن علی بن ابی طالب

آپ کے داماد منصور عباسی کے بھتیجے ہیں جنہوں نے ان کی بھتیجی ام کلثوم سے

شادی کی۔

۱۵) حسین اصغر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں عائشہ بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن عوام ہیں۔

۱۶) عبداللہ بن محمد بن عمر (الاطرف) بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں ابوجعفر منصور کی پھوپھی ہیں۔

۱۷) جعفر بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۱۸) حسین الاصغر بن علی زین العابدین بن حسین

آپ کی اولاد میں خالدہ بنت حمزہ بن مصعب بن زبیر بن العوام ہیں۔

۱۹) حسن بن علی بن حسن بن علی بن ابی طالب

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۲۰) جعفر (صادق) بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

امام صادق کا قول ہے "مجھے ابوبکر نے دو مرتبہ جنا ہے" اور "عمود الشرف" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

۲۱) حسن (افطس) بن علی بن علی زین العابدین بن حسین

آپ کی ازواج میں بنت خالد بن ابی بکر بن عبداللہ بن عمر بن خطاب ہیں۔

۲۲) محمد بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۲۳) موسیٰ بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں عبیدہ بنت زبیر بن ہشام بن عروہ بن زبیر بن عوام ہیں۔

۲۴) جعفر (اکبر) بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں فاطمہ بنت عروہ بن زبیر بن عوام ہیں۔

۲۵) عبداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں ام عمرو بنت عمرو بن زبیر بن عروہ بن زبیر ہیں۔

۲۶) محمد بن عوف بن علی بن محمد بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں صفیہ بنت محمد بن مصعب بن زبیر ہیں۔

۲۷) محمد بن عبداللہ بن الحسن المثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں فاختہ بنت فلیح بن محمد بن منذر بن زبیر ہیں۔

۲۸) موسیٰ الجون بن عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں ام سلمہ بنت محمد بن طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق ہیں۔

۲۹) جعفر بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں فاطمہ بنت عروہ بن زبیر بن العوام ہیں۔

۳۰) عبداللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں ام عمرو بنت عمرو بن زبیر بن عروہ بن زبیر بن العوام ہیں۔

۳۱) محمد بن عوف بن علی بن محمد بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں صفیہ بنت محمد بن مصعب بن زبیر ہیں۔

۳۲) حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۳۳) علی بن حسین بن علی بن عمر بن علی بن ابی طالب

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۳۴) موسیٰ (الکاظم) بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی

آپ کی اولاد میں عمر اور عائشہ ہیں۔

۳۵) علی بن حسن بن علی بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی ازواج میں فاطمہ بنت عثمان بن عروہ بن زبیر بن العوام ہیں۔

۳۶) یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب

آپ کی اولاد میں عمر ہیں۔

۳۷) علی (الرضا) بن موسیٰ بن جعفر الصادق

آپ کی کنیت ابوبکر ہے۔

آپ کی ازواج میں ام حبیب بنت مامون العباسی ہیں۔

آپ کی اولاد میں پانچ بیٹے اور ایک بیٹی ہے جس کا نام عائشہ ہے۔

۳۸) جعفر بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق

آپ کی بیٹیوں میں عائشہ ہیں۔

۳۹) محمد (الجواد) بن علی بن موسیٰ بن جعفر

آپ کی ازواج میں ام فضل بنت مامون العباسی ہیں۔

۴۰) علی (الہادی) بن محمد بن علی بن موسیٰ آپ کی بیٹیوں میں عائشہ ہیں۔

اہل بیت اور صحابہ کرام۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ کے مابین یہ خاندانی ربط

تعلق، ان کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مہر رکھنا اور آپس میں اتنی کثیر رشتہ داریاں یہ سب اس کی واضح دلیل ہے کہ ان کے مابین آپس میں الفت و محبت تھی، وہ ایک دوسرے کے انتہائی ترجیح کے اختیار سے راہ صواب پر تھے، آپس میں ایک دوسرے کے تئیں ان کے دل صاف و شفاف تھے اس سے وہ کہیں دور تھے جس کو فتنہ پرور اور اہل بغض وعناد عام کرتے ہیں۔(۱)

---

(۱) جو ان حقائق کی تفصیلات سے واقف ہونا چاہتا ہو تو وہ مندرجہ ذیل کتب انساب کی طرف رجوع کرے: ابن عنبہ کی عمدة الطالب في انساب آل ابي طالب، ابن الطقطقی کی الاصیلی فی انساب الطالبیین، ابو نصر بخاری کی سر السلسلة العلوية، شیخ مفید کی الارشاد، شیخ عباس قمی کی منتهى الآمال، محمد حسین الحلی کی تراجم اعلام النساء، اربلی کی کشف الغمة في معرفة الأئمة، الجزائری کی الأنوار النعمانية، شیخ محمد رضا شکیبی کی اعیان النساء، احمد بن ابی یعقوب کی تاريخ اليعقوبي، مجلسی کی بحار الانوار، اصفہانی کی مقاتل الطالبیین، بلاذری کی انساب الاشراف، مصعب زبیری کی نسب قریش۔

ساتواں باب

بعض اعتراضات اور ان کے جوابات

قارئین کرام! آپ کے سامنے بعض سوالات اور اعتراضات پیش کئے جا رہے ہیں جن کو ہم آئے دن بعض شبہات پیدا کرنے والوں کی طرف سے سنتے رہتے ہیں جو سراسر کی طرح ان بے بنیاد جملوں کے ذریعہ فضا کو مسموم کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے مابین بغض وعناد کے بیج بونا چاہتے ہیں، ان کے اور صحابہ کے مابین مربوط اور مستحکم تعلق کو ختم کرنا چاہتے ہیں، ان صحابہ میں اہل بیت بھی شامل ہیں صحابہ کرام پر طعن وتشنیع کرنا ان کا مقصد ہوتا ہے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان کی جانب بے بنیاد الزامات اور غلط اعمال منسوب کیے جاتے ہیں، لیکن ایسے بدطینت الزام تراشی کرنے والے لوگ اس سے غافل رہتے ہیں کہ ان کے طعن وتشنیع اور عیب جوئی کی پھوار انہی کے منہ پر پڑتی ہے، خیر کی بلندیوں کو اس کے ذریعہ کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے بقول شاعر

كناطح صخرة يوما ليوهنها   فلم يضرها وأوهى قرنه الوعل

یعنی اس کی مثال اس جنگلی بکرے کی سی ہے جو ایک دن ایک چٹان پر اپنے سینگ مارنے لگا، اس چٹان کو تو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا البتہ اس کا سینگ اس چٹان سے ٹوٹ گیا۔

آئندہ صفحات میں آپ ایسے شبہات ملاحظہ فرمائیں گے جن سے بہت سے ایسے لوگ متاثر ہو جاتے ہیں جو روشن تاریخ اسلامی کے بعض حقائق سے ناواقف ہوتے ہیں خاص طور پر ان لوگوں کے بارے میں جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی سب سے زیادہ پیروی کی۔

ان شبہات واعتراضات کو میں نے سوالات کی شکل میں ترتیب دیا ہے، ہر سوال کے بعد اس کا جواب دیا گیا ہے تاکہ حق پوری طرح واضح ہو جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے تین صحابہ کے تمام صحابہ دین سے پھر گئے تھے، تو کیا مسلمانوں کے خون سے حضرت علیؓ کی مراد صرف اس تین کا خون تھا؟!! اور کیا ان کے نزدیک صحابہؓ کا خون حضرت فاطمۃ الزہراء کے خون سے زیادہ قیمتی اور پاک ہے، جس کی وجہ سے وہ حضرت فاطمہؓ کا دفاع نہیں کرتے ہیں؟!!

۳- حضرت فاطمہ الزہراء کی وفات کے کوں بعد حضرت علیؓ نے سو حنیفہ کی ایک خاتون سے شادی کی جن کا بیٹا ابن الحنفیہ کے نام سے ملقب ہوا اور اس کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی بیٹی ام کلثوم کو اس سازش کے ایک رکن حضرت عمر بن خطاب کی زوجیت میں دیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے دشمنوں کے ساتھ تعلقات کو مستحکم بنانا چاہتے تھے اور حضرت فاطمۃ الزہراء کے ساتھ محبت ووفاداری کا سلوک نہیں کرتے تھے۔

۴- کیونکہ حضرت علیؓ خلیفۂ اول وثانی کے زمانہ میں قاضی اور وزیر کے عہدہ پر فائز ہوئے تو انہوں نے اتنا شاندار رول ادا کر کے گویا اس کا بدلہ عطا کیا۔

۵- انہوں نے اپنی اولاد کو ابوبکر وعمر وعثمان کے ناموں سے موسوم کیا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیوہ سے نکاح کیا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماضی سے ان کے کارناموں کو باقی رکھنا چاہتے تھے اگر چہ یہ حضرت فاطمہ کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔

۶- حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ الزہراء کی اولاد کو ان کی والدہ کی فدک والی میراث نہیں دی جب کہ وہ خلیفۃ المسلمین ہے، اپنے سے پیش رو خلفاء کے نقش قدم پر ہی چلتے رہے بلکہ انہوں نے تراویح کو بھی برقرار رکھا اور متعہ کو بھی حرام ہی قرار دیا۔

کیا اہل بیت سے محبت کرنے والا کوئی بھی شخص اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ

کوئی بھی عقل رکھنے والا محمد پرور ناصبی اس طرح کے الزامات واتہامات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی جانب منسوب کرے، اور یہ بھی صرف ایسی روایات کی بنیاد پر جو من گھڑت اور جھوٹی ہوں جن سے کسی بھی صورت میں استدلال کرنا درست اور مناسب نہیں ہے؟!

☆☆☆

دوسرا اعتراض

حوض کوثر سے متعلق حدیث

اعتراض یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے صدق و عدالت کے بارے میں فیصلہ کریں جن کے ارتداد اور دین تبدیل کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اعلان فرما دے گا کیونکہ حوض کوثر سے متعلق حدیث میں وارد ہے کہ بعض لوگوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے "اصحابی اصحابی" یہ میرے اصحاب ہیں، یہ میرے اصحاب ہیں۔ اس کے بعد رب کریم کی جانب سے واضح جواب دیا جائے گا کہ "جب سے آپ نے ان کو چھوڑا ہے اس وقت سے یہ برابر مرتد رہے"۔

جواب اس حدیث پر علماء اعتراض کے مختلف جوابات ہیں

۱- یہاں پر اصحاب سے وہ منافقین مراد ہیں جو عہد نبوی میں اسلام کا صرف اظہار کرتے تھے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يعلم انك لرسوله والله يشهد ان المنافقين لكاذبون" (المنافقون ۱)

ترجمہ اے نبی! جب یہ منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ ہاں اللہ جانتا ہے کہ تم ضرور اس کے رسول ہو مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔

منافقین میں سے بعض ایسے تھے جن کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا اور ایسے اکثریت میں تھے، اور ان میں بعض ایسے بھی تھے جو غیر معلوم تھے اور انہی کے

بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے "اصحابی اصحابی" یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی اندرونی حالت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مخفی تھی جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وممن حولكم من الأعراب منافقون ومن اهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم سنعذبهم مرتين ثم يردون الى عذاب عظيم"۔ (توبہ ۱۰۱)

ترجمہ "تمہارے گرد و پیش جو بدوی رہتے ہیں ان میں بہت سے منافق ہیں اور اسی طرح خود مدینہ کے باشندوں میں بھی منافق موجود ہیں جو نفاق میں طاق ہو گئے ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے، ہم ان کو جانتے ہیں، قریب ہے وہ وقت جب ہم ان کو دوہری سزا دیں گے پھر وہ زیادہ بڑی سزا کے لئے واپس لائے جائیں گے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کے بارے میں حوض کوثر کے پاس "اصحابی" فرمائیں گے اور ان کو روک دیا جائے گا وہ منافقین ہوں گے جو مدینہ میں پائے جاتے تھے جن کے بارے میں ظاہری طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی سمجھتے تھے کہ یہ مسلمانوں میں سے ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب کا علم نہیں رکھتے تھے اور نہ لوگوں کے باطنی احوال جانتے تھے، شرعی حکم کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ظاہر پر حکم لگایا جائے۔

۲- "اصحاب" سے یہاں وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہوئے، جیسے کہ بہت سے اعرابی مرتد ہو گئے تھے جنہوں نے عہد نبوی کے اخیر میں اسلام قبول کیا تھا۔

علامہ مجلسی نے "البحار" میں سید ابن طاؤس کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ عباس

ابن عبد الرحیم مروزی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صرف اہل مدینہ، اہل مکہ، اہل طائف میں اسلام باقی رہا، بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔

اس کے بعد کہتے ہیں: بنو تمیم اور قبیلہ رباب مرتد ہو گئے اور مالک بن نویرہ یربوعی کے پاس جمع ہوئے، اسی طرح قبیلہ ربیعہ پورے کا پورا مرتد ہوا، ان کی فوج کی تین جماعتیں تھیں، یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ، معری معرور تیمالی کے ساتھ جس میں بنو شیبان اور بکر بن وائل کے اکثر لوگ تھے اور ایک فوج حطیم عبدی کے ساتھ تھی، جبکہ اہل یمن بھی مرتد ہوئے، کندہ بن اشعث بن قیس مرتد ہوا، اسود عنسی کے ساتھ اہل مارب مرتد ہوئے، علقمہ بن علاثہ کے علاوہ سب بنو عامر کے لوگ مرتد ہوئے۔ (۱)

۳- "اصحابی" کے لفظ سے ہر وہ شخص مراد ہو سکتا ہے جو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلا ہو اگرچہ اس کو آپ کا دیدار نصیب نہ ہوا ہو، اس روایت سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے جس میں "امتی امتی" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور دوسری روایت میں "إنهم أمتي" یعنی "یہ میرے امتی ہیں" کے الفاظ آئے ہیں۔

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "انا اعرفهم" یعنی میں ان کو پہچانتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے پہچانیں گے کیونکہ آپ اپنی امت کو وضو کی علامتوں سے پہچانیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ قول قرآن پاک میں

---

(۱) بحار الانوار، ۲۸/۱۱

نازل فرمایا ہے: "وقال الرسول يا رب إن قومي اتخذوا هذا القرآن مهجورا" (الفرقان ۳۰)

ترجمہ: "اور رسول کہے گا کہ اے میرے رب! میری قوم کے لوگوں نے اس قرآن کو نشانۂ تضحیک بنا لیا تھا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر قوم سے نہ ہی اپنے اصحاب مراد لے رہے ہیں اور نہ ہی وہ لوگ جو آپ کے زمانہ میں تھے بلکہ آپ بعد کے امتیوں کے ترک قرآن کو مراد لیں گے۔

انہی لوگوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "أصحابي أصحابي" فرمائیں گے اور آپ سے کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے بعد میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کی تھیں، یعنی یہ لوگ آپ کی وفات کے بعد مسلسل آپ کے نقش قدم سے ہٹتے رہے۔

تیسرا اعتراض

صحابہ کی ایک جماعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا مذمت کرنے کا دعویٰ

اعتراض ہم صحابہ کی عدالت کو کیونکر مان سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر صریح آیات میں ان کی مذمت بیان کی ہے مثلاً جہاد سے پیچھے رہنے کے بارے میں فرمایا یاأیها الذین آمنوا إذا قیل لکم انفروا فی سبیل الله اثاقلتم إلی الأرض، أرضیتم بالحیاة الدنیا من الآخرة، فما متاع الحیاة الدنیا فی الآخرة إلا قلیل "۔ (توبہ ۳۸)

ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا"۔

ایک دوسری آیت میں ان کے بارے میں وعید اور تنبیہ مذکور ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "یاأیها الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینه، فسوف یأتی الله بقوم یحبهم ویحبونه أذلة علی المؤمنین أعزة علی الکافرین یجاهدون فی سبیل الله ولا یخافون لومة لائم ذلک فضل الله یؤتیه من یشاء والله واسع علیم "۔ (المائدہ ۵۴)

ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ

ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے، جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اللہ کے ذکر کے وقت خشوع نہ پائے جانے پر بھی مذمت بیان کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "ألم یأن للذین آمنوا أن تخشع قلوبهم لذکر الله وما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین أوتوا الکتاب من قبل فطال علیهم الأمد فقست قلوبهم وکثیر منهم فاسقون "۔ (الحدید ۱۶)

ترجمہ "کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے جھکیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ایک لمبی مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور آج ان میں سے اکثر فاسق بنے ہوئے ہیں"۔

یا اس پر بھی مذمت کی گئی ہے کہ تجارت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے چھوڑ دیا "وإذا رأوا تجارة أو لهوا انفضوا إلیها وترکوک قائما قل ما عند الله خیر من اللهو ومن التجارة والله خیر الرازقین "۔ (الجمعہ ۱۱)

ترجمہ "جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف لپک گئے اور تمہیں کھڑا چھوڑ دیا، ان سے کہو، جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے بہتر اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے"۔

جواب ۱- ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حق کا متلاشی، فکری تعصب سے بالاتر اور ہدایت کا طلبگار رہے، جیسے کہ ہم بار بار دعا مانگتے ہیں "اھدنا الصراط المستقیم" (فاتحہ ٦) اسی طرح غلط چیزوں سے مجتنب رہے، اگرچہ یہ چیزیں کسی عالم یا شیخ ہی سے صادر کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اہل تعصب کی مذمت بیان کی ہے جو کہتے ہیں "انا وجدنا آباءنا علی أمة وانا علی آثارھم مقتدون" (زخرف ۲۳)

ترجمہ "بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں"۔

۲- ہمارے لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ صحابہ کرام معصوم عن الخطأ نہیں ہیں، اسلام ہی نے ان کو جاہلی خرافات سے محفوظ رکھا، حالانکہ ان کے معاشرہ میں یہ چیزیں عام تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے پاس توحید کی دعوت لے کر آئے اور اچھے کاموں کا حکم دیا، اور آپؐ بذات خود ان تمام رذائل سے دور رہے تو تمام صحابہ کرام نے اختیاری طور پر آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور آپؐ پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو خیر وصلاح اختیار کرنے اور محرمات سے رکنے کا حکم دیا ان سب کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں "یا ایھا الذین آمنوا" کے ذریعہ خطاب کیا ہے۔

ان کے معاشرہ میں کوئی غلطی ہوتی تھی تو اس غلطی کے نتیجہ میں صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے احکامات سے واقف ہوتے اور اس میں تمام صحابہ برابر

ہیں، جس میں اہل بیت، حضرت عباس، حضرت حمزہ، حضرت جعفر طیار اور دوسرے تمام صحابہ شامل ہیں۔

یہ تمام احکامات (اوامر ونواہی) اور تنبیہات صرف صحابہ کے ساتھ خاص نہیں تھیں بلکہ یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والی امت کے لئے حجت و دلیل ہیں، کیونکہ قاعدہ ہے کہ "العبرہ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب" یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ مخصوص سبب کا۔

۳- اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اہل ایمان اور اہل کفر کو مخاطب کرنے میں الگ الگ اسلوب اختیار فرمایا ہے، جب اہل ایمان کو مخاطب کیا ہے تو "یا ایھا الذین آمنوا" کے ذریعہ اور جب خطاب کفار سے یا عام لوگوں سے کیا ہے (جس میں مؤمن کافر سب شامل ہیں) تو "یا ایھا الناس" کے ذریعہ۔

۴- فرض کرتے ہیں کہ ہم قرآن نہ سمجھ سکیں یا اس کی تفسیر نہ سمجھیں تو کسی متعصب مستشرق کے اس سوال کا ہم کیا جواب دیں گے اگر وہ یہ کہے کہ نبی اکرم محمد بن عبد اللہ کفار ومنافقین کی اطاعت کرتے تھے، کیونکہ قرآن میں آپ کو اس چیز سے روکا گیا ہے "یا ایھا النبی اتق اللہ ولا تطع الکافرین والمنافقین إن اللہ کان علیما حکیما" (أحزاب ۱)

ترجمہ اے نبی، اللہ سے ڈرو اور کفار ومنافقین کی اطاعت نہ کرو، حقیقت میں علیم اور حکیم تو اللہ ہی ہے"۔

بلکہ مستشرق یہ دعویٰ کرے اور کہے کہ تمہارے نبی تو ایسی چیزوں کو حلال کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور ایسا صرف اپنی ازواج کو راضی کرنے کے لئے کیا

ہے، قرآن پاک میں ہے "یاایها النبی لم تحرم ما احل الله لک تبتغی مرضات ازواجک والله غفور رحیم" (تحریم ۱)

ترجمہ "اے نبی تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے (کیا اس لئے کہ) تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو؟ اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے"۔

اسی طرح یہ کہ تمہارے نبی تو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے تھے تاکہ ان پر رحم کیا جائے اس لئے آپ کو منع کیا گیا "ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره انهم کفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون" (توبہ ۸۴)

ترجمہ: اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ بھی تم ہرگز نہ پڑھنا اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا، کیوں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے وہ مرے ہیں اس حال میں کہ وہ فاسق تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اپنے رب کے احکامات کی نافرمانی نہیں کر سکتے تھے، ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو نئی شریعت اور دین کی تعلیم دے رہا ہے تاکہ آپ اس کو لوگوں تک پہنچائیں، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "یاایها النبی انا ارسلناک شاهدا ومبشرا ونذیرا" (احزاب ۴۵)

ترجمہ: "اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر"

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے کہ

"یاایها النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم" (تحریم ۹)

ترجمہ اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔

"یاایها النبی قل لأزواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن" (احزاب ۵۹)

ترجمہ اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔

۵- اگر کوئی ناصبی حضرت علی پر طعن کرتے ہوئے ظاہر قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ روایات کے ظاہر سے استدلال کرے اور کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو آیت بھی اللہ نے نازل فرمائی اور اس میں 'یاایها الذین آمنوا' کے ذریعہ خطاب ہے تو علی سب سے پہلے اس میں داخل ہیں"۔(۱)

اس کی دلیل وہ روایت ہے جو امام رضا کے صحیفے میں موجود ہے کہ قرآن پاک میں جہاں بھی 'یاایها الذین آمنوا' ہے وہ ہمارے ہی حق میں ہے"۔(۲)

اہل بیت کے حق میں دشمنی رکھنے والے اس ناصبی کو بھی وہی جواب دیا جائے گا جو کہ صحابہ کرام کے سلسلہ میں عداوت رکھنے والوں کو دیا جاتا ہے۔

(۱) دیکھئے: النص فی امرۃ امیر المؤمنین ص ۳۴۱، ۴۷۷، بحار الانوار ۴۰/۱۰

(۲) المناقب ۲/۵۳، البرهان، البقرۃ آیت ۵۳

چوتھا اعتراض

صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنے کا دعویٰ

اعتراض: ہم صحابہ کرام کی عدالت کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں، انہوں نے تو صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے حکم کی نافرمانی ومخالفت کی، جب کہ آپؐ نے ان کو حلق کرنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن انہوں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل نہیں کی؟ بلکہ حضرت عمرؓ نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی کھل کر مخالفت کی جب آپ نے مشرکین کے ساتھ صلح کی تھی، انہوں نے کہا کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپؐ نے جواب دیا کیوں نہیں، حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں، حضرت عمر نے کہا پھر ہم اپنے دین کے بارے میں سرکیوں جھکائیں گے؟

جواب ۱- ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ کسی بھی واقعہ کے اسباب ووجوہات کی تحقیق کے بغیر کسی پر بھی الزام نہ لگائے، اسی طرح اگر وہ حق کا طلب گار ہے تو اس کو منصف ہونا چاہیے، نہ کسی کی طعن وتشنیع کرے اور نہ ہی کسی پر زیادتی، خاص طور پر صحابہ کرام کے بارے میں تو بغیر علم کے کچھ بھی نہ کہے، اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام آپ ﷺ سے کس قدر محبت کرتے تھے، ان کی محبت ووارفتگی کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے، آپؐ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لینے میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے تھے، آپ کا لعاب دہن زمین پر گرنے کا موقع ہی نہیں آتا تھا، آپ کا کوئی بال زمین پر نہیں

گر پاتا تھا یہ سب کچھ برکت کے حصول کے لئے کرتے تھے اور یہ محبت کی واضح دلیل ہے، جیسے کہ اس کی تفصیلات حضرت عروہ بن مسعود کی روایت میں آئی ہیں۔

۲- صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی کریم۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے صحابہ کرام کو حکم دیا تو حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی مخالفت نہیں کی بلکہ بیت اللہ کی زیارت وعمرہ کا ان کے اندر شوق تھا اور جذبات تھے، اس لئے جب ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کر کے عمرہ ختم کرنے اور احرام سے باہر آنے کا حکم دیا تو اس وقت انہوں نے یہ تمنا کی کہ کاش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فیصلہ بدل دیتے یا اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا، اس لئے تمام صحابہ نے بلا استثنا تھوڑا سا انتظار اور توقف فرمایا تاکہ شاید کوئی دوسرا فیصلہ ہو، تھوڑی دیر کے لئے انہوں نے اسی امید میں آپ کے حکم پر عمل کرنے میں انتظار کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلق کرا کے اور اپنی قربانی ذبح کر کے ان کے پاس تشریف لائے تو اس وقت صحابہ نے سمجھ لیا کہ اب فیصلہ بدلنے کا کوئی سوال نہیں ہے، انہوں نے فوراً اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کی، اپنے سر منڈوائے اور بغیر کسی تردد ولیت ولعل کے اپنی اپنی قربانی کا جانور ذبح کیا، انہی صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبهم فانزل السکینة علیهم واثابهم فتحا قریبا"۔(الفتح ۱۸)

ترجمہ "اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی، ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔

۳- صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر بن خطابؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے فیصلہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ وہ آپؐ کے ساتھ گفتگو کررہے تھے اور امت کے بارے میں فیصلہ کررہے تھے، جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ صحابہ کرام کے ساتھ مشاورت فرماتے تھے، خاص طور پر کبار صحابہ کے ساتھ، کیونکہ مشاورت یہ ایک ایسی سنت ہے جس کی تعمیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم پر کرتے تھے، قرآن پاک میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ "وشاورھم فی الأمر ـــ" (۱)

ترجمہ: اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔"

فیض الکاشانی اس آیت "وشاورھم فی الأمر" کے بارے میں فرماتے ہیں یعنی جنگ اور دوسرے ان امور کے سلسلہ میں ان کے ساتھ مشورہ کیا کیجئے جن میں مشورہ کرنے کی گنجائش ہو، تاکہ ان کی رائے معلوم ہو، ان کی دلجوئی ہو، اور امت کے لئے مشاورت کی سنت جاری ہو، کیونکہ وحدت وانفرادیت عجب اور خود رائی کا ذریعہ ہے، اور مشاورت تعاون کا ذریعہ ہے۔ نہج البلاغہ میں ہے "جس نے خود رائی سے کام لیا وہ ہلاک ہوگیا اور جس نے لوگوں سے مشورہ کیا اس نے ان کی عقلوں کو اپنے ساتھ شامل کرلیا، مشاورت میں ہدایت ہی ہدایت ہے، جس نے خود رائی سے کام لیا اس نے خطرہ مول لیا"۔ امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "اپنے امور میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جن کے دلوں میں اللہ کی خشیت ہو"۔

(۱) آل عمران ۱۵۹

اس اہم موقع پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان کو اہل مکہ کے پاس مذاکرات اور گفت وشنید کے لئے بھیجنے کے سلسلہ میں حضرت عمر بن خطابؓ سے مشورہ کیا۔

علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر "مجمع البیان" میں صلح حدیبیہ کا قصہ مختصر طور پر نقل کیا ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے نکلے، جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کی اونٹنی رک گئی، آپؐ نے اس کو آگے بڑھانے کے لئے کوشش کی لیکن وہ نہیں بڑھی اور وہ وہیں بیٹھ گئی، صحابہ کرام نے آپؐ سے کہا اونٹنی رک گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایسا تو نہیں کرتی ہے لیکن اس کو ہاتھی کو روکنے والے (اللہ) نے روک دیا ہے، آپؐ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو اہل مکہ کے پاس بھیجنے کے لئے بلایا تاکہ وہ مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں جس کے بعد آپؐ یہیں پر احرام کھولیں گے اور قربانی کریں گے حضرت عمرؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! میرے ان کے ساتھ گہرے تعلقات نہیں ہیں، اور مجھے قریش کے بارے میں اندیشہ ہے، کیوں کہ میں ان سے سب سے زیادہ عداوت و دشمنی رکھتا ہوں البتہ میں آپ کو ایک ایسے شخص کے بارے میں بتلاتا ہوں جو ان کے نزدیک مجھ سے زیادہ قریب اور مقام و مرتبہ کے حامل ہیں، وہ ہیں عثمان بن عفان! آپؐ نے فرمایا تم نے سچ کہا"۔(۱)

۴- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشاورت کی وجہ سے ہم حضرت عمر بن خطابؓ کے بارے میں کیوں تبصرہ کریں اور کیوں ان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم

(۱) تفسیر مجمع البیان ۹/۱۹۳، بحار الانوار ۲۰/۳۲۹

کی مخالفت کرنے کا الزام لگائیں اور اس پر پھر بہت سے الزامات کی عمارت کھڑی کریں، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس وقت نہیں روکا، اگر وہ منع کرنے یا تنبیہ کرنے کے مستحق ہوتے تو آپ ضرور کرتے!

کیا ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جاننے والے اور سمجھنے والے ہیں کہ آپ نے اپنے اصحاب کی تربیت کیسے فرمائی اور ان کے ساتھ کیسے برتاؤ فرمایا؟

یا ہم پر کوئی ایسی بات منکشف ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی رہی ہو؟!

کیا حضرت عمرؓ کے اس فعل پر عیب و تعصب کا ہمارے نزدیک اور کوئی دوسرا سبب ہے؟!

اس جیسی مشاورت تو حضرت علیؓ اور ان کی جماعت کے افراد کے مابین بھی ہوئی مثلاً معرکہ صفین میں حجر بن عدی جیسے شخص کے ساتھ، جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو حضرت معاویہؓ اور ان کی فوج پر لعن طعن کرنے اور برا بھلا کہنے سے روکا۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ نے اور نہ ہی آپؓ کے بعد کسی اور شخص نے حجر بن عدی پر حضرت علیؓ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے طعن و تشنیع نہیں کی۔

عبداللہ بن شریک سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق اہل شام سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے اور ان پر لعنت کرتے ہوئے نکلے، حضرت علیؓ نے دونوں سے کہلوایا کہ مجھے تمہارے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے اس سے باز آجاؤ، وہ دونوں بذات خود آپؓ کے پاس آئے اور کہا امیر المومنین! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپؓ نے فرمایا کیوں نہیں، دونوں نے کہا کیا وہ باطل پر نہیں ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کیوں نہیں، ان دونوں نے کہا پھر آپ نے ہم کو انہیں برا بھلا کہنے سے کیوں منع کیا ہے؟ آپؓ نے فرمایا مجھے تمہارے بارے میں یہ بات گوارہ نہیں ہے کہ تم لعنت کرنے والے اور برا

بھلا کہنے والے ہو۔(۱)

۵- فرض کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ عمل حق سے ہٹا ہوا تھا کیوں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، کسی ناصبی کے اس قول کا ہم کیا جواب دیں گے، اگر وہ کہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت علیؓ مخالفت کرنے والوں میں پیش پیش تھے کیونکہ انہوں نے بھی تمام صحابہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، انہوں نے بھی حلق نہیں کروایا اور نہ ہی قربانی کی؟

بلکہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہ ماننا اور حضرت عمر بن خطاب کی مخالفت سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنا نام مٹانے کے لئے کہا تھا جب کہ وہ قریش کے قاصد سہیل بن عمرو کے ساتھ صلح نامہ لکھ رہے تھے، اس موقع پر حضرت علی بن ابی طالب - رضی اللہ عنہ - نے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہیں مانا تھا؟

اس کی دلیل وہ روایت ہے جو ابوعبداللہ علیہ السلام نے صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں تفصیل سے بیان کی ہے فرماتے ہیں امیر المومنین علیہ السلام نے صلح نامہ یوں لکھا

اللهم هذا ما تقاضى عليه محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم والملأ من قريش ، فقال سهيل بن عمرو لو علمنا أنك رسول الله ما حاربناك ، اكتب هذا ما تقاضى عليه محمد بن عبد الله ...... یعنی اے اللہ یہ وہ صلح ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سرداران قریش نے اتفاق کیا، سہیل بن عمرو نے

---

(۱) مستدرک الوسائل ۳۰۶/۱۲ بحار الانوار ۳۹۹/۳۲ وقعۃ صفین ص ۳۲

کہا اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے جنگ ہی کیوں کرتے، لکھئے یہ وہ صلح ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے اتفاق کیا ہے۔ اے محمد! کیا تم اپنے نسب کے بارے میں عار محسوس کرتے ہو؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم اس کا اقرار نہ کرو اس کے بعد آپ نے فرمایا اے علی! اس کو مٹا دو، اور لکھو محمد بن عبداللہ، امیر المومنین علیہ السلام نے کہا میں نبوت سے آپ کا نام مبارک کبھی نہیں مٹا سکتا ہوں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹایا ―― "الحدیث"۔(۱)

لہذا ناصبی کے اس قول کا ہم رد کیسے کریں گے جب کہ وہ کہے کہ حضرت علی بن ابی طالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا نام مٹانے کا حکم دیا تھا؟ کیا حضرت علی بن ابی طالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متقی، زیادہ جاننے والے اور آپ کا نام مٹانے کے زیادہ حریص ہیں؟ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت ان سے بار بار ہوئی مثلاً غزوہ تبوک کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ کہا کہ مدینہ میں رکے رہیں جیسے کہ دوسرے صحابہ تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اور دوسرے وہ لوگ جو عذر کی بنا پر رہ گئے تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت علی نکلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے یہ کوشش کرتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ نہ لے جانے کا فیصلہ بدل دیں اور ان کو بھی ساتھ لے جائیں۔

حضرت عائشہ بنت سعد اپنے والد سعد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی

(۱) مستدرک الوسائل ۲۳۲/۹

رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ثنیۃ الوداع تک آئے، وہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے آپ نے مجھے پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ چھوڑ دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ نبوت کے علاوہ دوسرے امور میں میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون تھے۔(۱)

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرتے ہیں؟ کیا ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ مدینہ میں ان کو اپنا جانشین بنانا یہ ان کے لئے فضیلت ہے؟ اگر وہ اس بات سے ناواقف تھے تو یہ مصیبت ہے اور اگر وہ جانتے تھے تو مصیبت تو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں ان تمام افتراء اندازیوں کا جواب بھی ویسے ہی ہے جیسے کہ ہم نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا ہے کیونکہ حق تو ایک ہی ہے، اگرچہ افترا اندازیوں کے طریقے مختلف و متنوع ہوں۔

(۱) بحار الانوار ۲۲/۳۷ المعجم ص ۱۴۷

کہا اگر ہم یہ جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے جنگ ہی کیوں کرتے، لکھئے یہ وہ صلح ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے اتفاق کیا ہے، اے محمد! کیا تم اپنے نسب کے بارے میں عار محسوس کرتے ہو؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اگر چہ تم اس کا اقرار نہ کرو اس کے بعد آپ نے فرمایا اے علی! اس کو مٹا دو، اور لکھو محمد بن عبداللہ، امیر المومنین علیہ السلام نے کہا میں نبوت سے آپ کا نام مبارک کبھی نہیں مٹا سکتا ہوں، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹایا ''الحدیث''۔(۱)

لہذا ناصبی کے اس قول کا ہم رد کیسے کریں گے جب کہ وہ کہے کہ حضرت علی بن ابی طالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا نام مٹانے کا حکم دیا تھا؟ کیا حضرت علی بن ابی طالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متقی، زیادہ جاننے والے اور آپ کا نام نہ مٹانے کے زیادہ حریص ہیں؟ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت ان سے بارہا ہوئی مثلاً غزوہ تبوک کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ کہا کہ مدینہ میں رکے رہیں جیسے کہ دوسرے صحابہ تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن ام مکتوم اور دوسرے وہ لوگ جو معذوری کی بنا پر رہ گئے تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت علی نکلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے یہ کوشش کرتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے ساتھ نہ لے جانے کا فیصلہ بدل دیں اور ان کو بھی ساتھ لے جائیں۔

حضرت عائشہ بنت سعد اپنے والد سعد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی

(۱) مستدرک الوسائل ۹/۲۳۷

رضی اللہ عنہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ ثنیۃ الوداع تک آئے، وہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے آپ نے مجھے پیچھے بیٹھنے والوں کے ساتھ چھوڑ دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ نبوت کے علاوہ دوسرے امور میں میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون تھے۔(۱)

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرتے ہیں؟ کیا ان کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ مدینہ میں ان کو اپنا جانشین بنانا یہ ان کے لئے فضیلت ہے؟ اگر وہ اس بات سے ناواقف تھے تو یہ مصیبت ہے اور اگر وہ جانتے تھے تو مصیبت تو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں ان تمام اعتراضات کا جواب بھی ویسے ہی ہے جیسے کہ ہم نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا ہے کیونکہ حق تو ایک ہی ہے، اگر چہ اعتذاریوں کے طریقے مختلف و متنوع ہوں۔

(۱) بحارالانوار ۲۳۲/۳۷ المعجم ص ۱۲۷

پانچواں اعتراض

واقعہ قرطاس کے سلسلہ میں

اعتراض: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چار دن پہلے جمعرات کے روز صحابہ نے جو کچھ کیا ان کے درمیان اختلاف ہوا، آپؐ کے پاس ان کی آوازیں بلند ہوئیں اور تحریر لکھنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قلم وقرطاس حاضر نہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی، بعض نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں "ہجر" (ہذیان) کا اتہام لگایا، حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت تکلیف میں ہیں، تمہارے پاس قرآن موجود ہے، ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور سب کو اپنے گھر سے نکال دیا، حضرت عبداللہ بن عباس اس حادثہ کو "رزیہ" یعنی مصیبت کہا کرتے تھے، ان تمام چیزوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی حالت کیسی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کے اختلاف کے اسباب کیا ہیں؟

یہ واقعہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چار دن پہلے کا ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب فراش تھے، آپ شدت الم کی وجہ سے سخت تکلیف محسوس کر رہے تھے، بلکہ سخت تکلیف کی وجہ سے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوتی تھی اور

کبھی افاقہ ہوتا تھا، ایسی ہی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا مجھے کاغذ دو، میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں گا کہ میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوگے"۔ اس سلسلہ میں صحابہ کے مابین اختلاف ہوا ان میں سے بعض صحابہ نے چاہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سخت بیماری میں پریشان نہ کیا جائے اور وہ یہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم حتمی اور وجوب کا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک اختیاری امر یا وقتی کی بات ہے، جب کہ بعض صحابہ نے لکھنے کے لئے کاغذ اور دوات پیش کرنا چاہا۔

۲- عہد نبوی کے بعد کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے کہ اس وقت کی مکمل صورتحال کو پوری طرح سمجھ سکے اور اس کا ویسے تصور کر سکے جیسے کہ ان لوگوں نے سمجھا جو اس وقت موجود تھے انہوں نے بذات خود اس کا مشاہدہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کی شدت کو اپنی نگاہوں سے دیکھا، خاص طور پر ان کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح کی حالت کبھی طاری نہیں ہوئی تھی، یہ ان کے سامنے پہلا واقعہ تھا، اس لئے ان کی آراء مختلف ہوئیں۔

۳- اس واقعہ کے سبب صحابہ کرام کے بارے میں طعن وتشنیع کرنا اور ان کی تنقیص کرنا یہ ایک نئی چیز ہے جو اس سے پہلے کسی کی جانب سے نہیں ہوئی ہے، کیونکہ تمام صحابہ کے سامنے اس واقعہ کی حیثیت ایک عام واقعہ کی تھی اور ان کو اس بات کا یقین تھا کہ اس سے کسی طرح یہ استدلال کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ بعض صحابہ پر نفاق یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کا الزام لگایا جائے، کیا ان کے بعد آنے والے لوگ ان سے زیادہ علم والے اور سمجھ والے ہو سکتے ہیں؟ انہوں نے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ شب و روز گزار رہے تھے؟

۳- اس پورے واقعہ میں صحابۂ کرام کے بارے میں جن چیزوں کے ذریعہ اعتراض کیا جا سکتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں

أ) صحابہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کرنا۔

ب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا اختلاف کرنا اور آوازیں بلند کرنا جو ان کے احترام نہ کرنے کی دلیل ہے۔

ج) بعض صحابہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلط الفاظ استعمال کرنا

د) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی درخواست کو ٹھکرا دینا۔

ان تمام شبہات کے مختصر جوابات مندرجہ ذیل سطور میں دیے جا رہے ہیں

أ- صحابہ کرام کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کرنا

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت نہیں کی، بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف محسوس کر رہے ہیں، اس لئے کہ ایسی صورتحال پہلی مرتبہ پیش آئی تھی، وہ جانتے تھے کہ اللہ کی کتاب ان کے پاس موجود ہے اور دین مکمل ہو چکا ہے اس لئے وہ اس سلسلہ میں پس و پیش کا شکار رہے۔

ب- اختلاف کرنا اور آوازیں بلند کرنا

اس کی کوئی صریح اور واضح دلیل کہیں نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آوازیں بلند کیں، اگر ان کی طرف سے ایسی بات ہوتی تو اللہ کی طرف سے فوراً وحی کے ذریعہ ان کی سرزنش کی جاتی، خاص طور پر جب کہ سورۂ حجرات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرنے کے آداب کی مکمل تفصیلات نازل ہو چکی تھیں۔

صحابہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ایک دوسرے سے سوالات و استفسار کی وجہ سے ایک دوسرے سے آوازیں بلند کیں، خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود معلوم کرنے کے سلسلہ میں انہوں نے ایک دوسرے سے معلوم کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے لکھنا نہیں جانتے تھے۔(۱)

جب ان کے مابین بحث و مباحثہ کافی طویل ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صرف اس اختلاف کے بارے میں منع فرمایا، اگر اور کوئی حدود سے تجاوز کرنے والی بات ہوتی تو اللہ کی طرف سے فوراً حکم نازل ہو جاتا جس کے ذریعہ غلطی پر متنبہ کیا جاتا۔

ج- "بعض حاضرین کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا "أهجر" یعنی کیا آپ پر (نعوذ باللہ) ہذیان

(۱) دیکھئے علل الشرائع ۱/۱۴۶، بحار الانوار ۱۶/۱۳۲

طاری ہو گیا ہے"۔

سب سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ روایت میں کہیں بھی اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ جملہ کس نے کہا تھا، ہو سکتا ہے مجلس میں موجود منافقین میں سے کسی نے کہا ہو، یا کسی صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کے بارے میں دریافت کیا ہو جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کے بارے میں فرمایا اور اس صحابی نے یہ سوال کیا ہو کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بیماری کی کیفیت طاری ہو سکتی ہے جیسے کہ ہم پر طاری ہوتی ہے؟ اس کے بعد اس کو مختصر کر کے راویوں نے یوں ہی بیان کر دیا ہو۔

یا کسی نے یہ کہا ہو کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قلم و قرطاس کیوں نہیں لے کر آئیں گے؟ کیا نبی کے بارے میں یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ پر ہذیان طاری ہو جائے اور دوسروں کی طرح ایسے ہی بہکی باتیں کریں؟

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات واضح طور پر نہ سنی گئی ہو، کیونکہ اس وقت آپ کی زبان خشک ہو گئی تھی اور آواز صاف نہیں نکل پا رہی تھی، جیسے کہ سخت بخار کی حالت میں ہوا کرتا ہے، تمام سیرت نگاروں کا اس پر اتفاق ہے کہ مرض الوفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھی متاثر ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ بھی اس کلمہ کی بہت سی توجیہات ہو سکتی ہیں، خاص طور پر عربی زبان میں اس کی کافی گنجائش ہے، اس کے علاوہ کوئی ایسی واضح دلیل موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر ہم پوری تعیین کے ساتھ کہہ سکیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت کون کون موجود تھا حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن

عباسؓ کے علاوہ اور کسی کی تعیین مذکور نہیں ہے، قارئین کرام کو اس کلمہ کی اتنی توجیہات کرنے کے سلسلہ میں "فکر نہیں ہونا چاہئے"، اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے سامنے یہ بات کہی گئی انہوں نے لوگوں کو کچھ نہیں کہا، بلکہ رب العزت نے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی ہے اپنے حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تنبیہ نازل نہیں فرمائی۔

د- حضرت عمر بن خطاب کا نبی کریم صلی اللہ کے حکم کو ٹھکرا دینا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کیسے سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معمولی درخواست کو ٹھکرا دیں، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنے لمبے عرصہ میں کبھی کسی چیز کے بارے میں انکار نہیں کیا؟

جہاں تک حضرت عمر بن خطابؓ کے اس قول کا تعلق ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں ہیں، اور تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے اس لئے ہمارے لئے اللہ کی کتاب ہی کافی ہے" اس کی مختلف توجیہات ہو سکتی ہیں مثلاً حضرت عمرؓ نے صحابہ سے یہ چاہا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باتوں کے ذریعہ اور زیادہ سوالات کر کے مشقت میں نہ ڈالیں، جب کہ آپ سخت تکلیف میں تھے، آپؓ نے ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شفقت کرتے ہوئے کیا، اس لئے انہوں نے کہا تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنا دین مکمل کیا ہے اور شریعت کو بیان کر دیا ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ما فرطنا في الكتاب من شيء" (انعام ۳۸)

ترجمہ "ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی باقی نہیں رکھی ہے۔

اس طرح دوسری آیت میں فرمایا ہے "اليوم اكملت لكم دينكم

واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدۃ ۳)

ترجمہ "آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو تحریر فرمانا چاہا تھا ظاہراً ایسا لگتا ہے کہ وہ اصلاح و نصائح کی قبیل کی چیز تھی، کوئی ایسی نئی چیز نہیں تھی جس کو امت تک پہنچانا ضروری ہو اور کوئی ایسی بھی چیز نہیں تھی جس کی تبلیغ واجب تھی اور اسلام اس کے بغیر ناقص رہتا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کذب و جھوٹ سے بھی معصوم ہیں اور ایسی چیز کے بارے میں غفلت برتنے سے بھی معصوم ہیں جس کا بیان کرنا واجب ہو اور اللہ نے آپ پر اس کی تبلیغ واجب کی ہو۔

اگر وہ کوئی ایسی چیز ہوتی جس کی تبلیغ واجب ہوتی اور امت کے حق میں ضروری ہوتی تو کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بیان کرنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیتا؟

گذشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت صحت یا حالت مرض میں کسی چیز کی تبلیغ کے مکلف و مامور ہوتے تو ضرور بالضرور اس کو بیان فرماتے، اگر وہ کوئی ایسی چیز ہوتی جس سے امت مستغنی نہیں ہو سکتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو صرف اختلاف کرنے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے بیان کرنا نہ چھوڑتے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم تھا "بلغ ما انزل الیک" (مائدہ ۶۷) ترجمہ "جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کو دوسروں تک پہنچا دو"۔

جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ایسی کسی چیز کو نہیں چھوڑا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی گئی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی گئی، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم اصحاب و تذکر کے لئے تھا نہ کہ وجوب و تشریع جدید کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد چار دن حیات رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرصہ میں دوبارہ تحریر لکھنے کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔

۵- مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرام کے سلسلہ میں اپنے دل کو بغض و عناد اور کینہ سے پاک کرے اور ان سے ویسے ہی محبت کرے جیسے کہ ائمہ ان سے محبت کرتے تھے، بلکہ اگر صحابہ یا اور کسی کے بارے میں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو ان کے لئے کوئی عذر تلاش کرنے جیسے کہ ائمہ سے یہ قول منقول ہے کہ اپنے مومن بھائی کے لئے کسی چیز میں ستر عذر تلاش کرو"۔ اسی طرح ان کا یہ قول "اپنے بھائی کے بارے میں اپنے کان اور نگاہ کی تکذیب کرو"۔ "الکافی" میں حسین بن مختار سے ابو عبد اللہ کے واسطے سے منقول ہے کہ امیر المومنین نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کے عمل کو بہتر سے بہتر محمول کرو، یہاں تک کہ اس کے برعکس کوئی یقینی بات معلوم ہو، اپنے بھائی کی زبان سے نکلی ہوئی بات کے بارے میں سوء ظن سے کام مت لو جب کہ اس میں خیر کے پہلو کی کوئی بھی گنجائش موجود ہو"۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ اگر تم کسی مسلمان کو کوئی ایسا کام کرتے ہوئے دیکھو جس کو تم ناپسند کرتے ہو تو اس کی ستر (۷۰) بہتر تاویلیں کرو"۔

(۱) الحدائق الناضرہ ۵ / ۳۵۳

لہذا ہمارے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ ہم بھی ائمہ کے نقش قدم پر چلیں اور صحابہ کرام کے بارے میں عذر تلاش کریں، خاص طور پر ان کے بارے میں، جب کہ وہ اپنے حبیب کو اس حال میں دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں سخت تکلیف میں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے

"کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله" ۔(آل عمران ۱۱۰) ترجمہ: اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

صحابہ کرام آپس میں چھوٹے چھوٹے مسائل میں ایک دوسرے کو ٹوکتے تھے، ایسے مسئلہ کی تو بات ہی نہیں۔

اتنی صدیاں گذرنے کے بعد ہم اس واقعہ یا اور کسی واقعہ کی وجہ سے صحابہ کرام پر کیوں تنقید کریں؟! اس سے کیا مقصد حاصل ہوگا؟

کیا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ جاننے والے ہیں؟!

کیا ہم صحابہ کرام سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں؟

یا پھر ہم خواہش نفس کی پیروی کرنے والے ہیں؟

۶- حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ کو مصیبت سے اس وقت تعبیر کرتے تھے

جب کہ وہ حدیث بیان کرتے تھے، یہ اس وقت نہیں فرمایا تھا جب کہ واقعہ پیش آیا تھا، بلکہ کئی سال گذرنے کے بعد اس کو مصیبت سے تعبیر کرتے تھے جب کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یاد آتی تھی اور غمگین ہوتے تھے تمام روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۷- اگر ہم نے طعن وتشنیع کا طریقہ جاری رکھا، تو اگر کوئی ناصبی یہ اعتراض کرے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ ان تمام مسائل کے اصل سبب ہیں، اس لئے کہ بہت سے مواقع پر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی مثلاً صلح حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مٹانے کے لئے تیار نہیں ہوئے، دوسرے صحابہ کی طرح حلق نہیں کروایا اور نہ ہی قربانی کی، غزوہ تبوک کے موقعہ پر مدینہ میں نیابت کو قبول نہیں کیا۔

بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں بھی آپ نے دوسرے صحابہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم وقرطاس طلب کیا تھا لیکن حضرت علی نے بھی کوئی چیز پیش نہیں کی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، بلکہ غلط کرنے والوں کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت آپؓ نے شریعت اسلامیہ کے احکام کو بدل ڈالا یہاں تک کہ ان کو قصاص شرعی کے بجائے جلا ڈالا۔(۱)

ان سوالات سے اعدائے اسلام کا اسلوب بطرز عداوت واضح ہو جاتا ہے جو بھی اہل بیت کے ساتھ یا صحابہ کرام کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں وہ اسی طرح کے بے بنیاد اعتراضات کرتے ہیں۔

(۱) دیکھئے بحار الانوار ۳۴/۲۹۹

۲- شاید موجودہ زمانے میں بہت سے مسلمان اس بات سے ناواقف ہیں کہ ارض فدک اللہ کی طرف سے اپنے رسول کے لئے خیبر کے مال غنیمت میں سے بطور فیئ تھی، اور فیئ وہ ہے جو بغیر کسی جنگ کے بطور غنیمت حاصل ہو، اس کا مکمل قصہ سورۃ الحشر میں مذکور ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الأغنياء منكم، وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتقوا الله إن الله شديد العقاب" (الحشر ۷)

ترجمہ "جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ بستیوں کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف پلٹا دے وہ اللہ اور رسول اور رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ، اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چیز بطور فیئ دی تھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حق تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی اور گھر والوں کی ضروریات کے لئے متعین فرمایا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حاصل شدہ زمین کی نگرانی بھی فرماتے تھے اور اس کی حفاظت بھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کوئی بھی اس کا وارث نہیں ہوا، کتب تاریخ میں یہ چیز موجود ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کے خلیفہ و جانشین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرتے تھے اور اس کے بعد حضرت عمرؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عباسؓ نے

اس زمین کی نگرانی کی درخواست کی تو حضرت عمرؓ نے اس درخواست کو قبول کیا اور یہ زمین انہی کے پاس تھی، اس کے بعد حضرت علیؓ کے پاس رہی، عہد عمر، عہد عثمانی اور پھر اپنے دور خلافت میں آپؓ کے پاس ہی رہی، حضرت علیؓ کی وفات کے بعد حضرت حسن بن علی کے قبضہ میں آئی، اس کے بعد حضرت حسین پھر حسن بن حسن (المثنیٰ) اور آپ کے ساتھ علی بن حسین، پھر زید بن حسن کی ملکیت میں آئی اور اس کے بعد وہ کسی کی ملکیت میں نہیں رہی۔

۳- جہاں تک میراث کے مسئلہ کا تعلق ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو باخبر کیا تھا کہ انبیاء مال و دینار کی وراثت چھوڑ کر نہیں جاتے ہیں ان کی وفات کے بعد جو مال ان کے پاس باقی رہتا ہے وہ صدقہ ہوتا ہے اس چیز کو تمام امت نے بھی سمجھا اور اسی کو بیان بھی کیا۔

حضرت ابوعبداللہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے علم کی طلب میں کسی راستے پر چلنا شروع کیا اللہ اس کو جنت کے راستہ پر چلائے گا، بلاشبہ فرشتے طالب علم سے خوش ہو کر اس کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب طالب علم کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی۔ ایک عابد پر عالم کی فضیلت ویسے ہی ہے جیسے کہ چودھویں رات میں تمام ستاروں پر چاند کی فضیلت ہوتی ہے، بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے ہیں بلکہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں، جس نے اس کو حاصل کیا اس نے ایک اچھی چیز حاصل کی"۔(۱)

(۱) الکافی ۱/۳۴، بحار الانوار ۱/۱۶۴، امالی الصدوق ص ۶۰، بصائر الدرجات ص ۳۰

ابو عبداللہ سے یہ بھی منقول ہے کہ "بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، ایسا اس لئے کیوں کہا گیا؟ دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے ہیں، بلاشبہ وہ احادیث کا وارث بناتے ہیں، جس نے اس میں سے کوئی چیز بھی حاصل کی اس نے بھرپور حاصل کی"۔(۱)

دوسری حدیث میں منقول ہے کہ "بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو درہم و دینار یا غلام یا باندی یا بکری یا اونٹ کا وارث نہیں بنایا بلاشبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس حال میں قبض ہوئی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس بیس صاع جو کے عوض رہن تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے گھر والوں کے لئے بطور نفقہ یہ جو لئے تھے"۔(۲)

لہذا جو فدک کا مالک تھا یا خیبر کے حصہ کا مالک تھا وہ تیس صاع بطور قرض لیتا ہے اور اپنی زرہ بطور رہن رکھتا تھا!

امیر المؤمنین فرماتے ہیں سات وجوہات کی بنا پر علم مال سے افضل ہے

۱۔علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فراعنہ کی میراث ہے۔

۲۔علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا ہے جب کہ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے۔

۳۔مال اس کی حفاظت کرنے والے کا محتاج ہوتا ہے جب کہ علم صاحب علم کی حفاظت کرتا ہے۔

---

(۱) الکافی ۳۲/۱ وسائل الشیعہ ۷۸/۱۸، مستدرک الوسائل ۲۹۹/۱۷، الاختصاص ص ۴

(۲) قرب الاسناد ص ۴۴ بحار الانوار ۲۱۹/۱۶

۴۔علم مرنے کے بعد کفن میں داخل ہوتا ہے جب کہ مال دنیا میں ہی باقی رہتا ہے۔

۵۔مال مؤمن و کافر سب کو حاصل ہوتا ہے اور علم خاص طور پر صرف مؤمن کو حاصل ہوتا ہے۔

۶۔دینی امور میں تمام لوگ صاحب علم کے محتاج ہیں وہ صاحب مال کے محتاج نہیں ہیں۔

۷۔علم صراط مستقیم پر گامزن رہنے کو تقویت دیتا ہے جب کہ مال روکتا ہے۔(۱)

۴۔جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت فاطمہ۔علیہا السلام۔اپنے والد کی میراث کی سب سے زیادہ مستحق تھیں اور اس مسئلہ میں استدلال اس آیت سے کیا جاتا ہے "واني خفت الموالي من ورائي وكانت امرأتي عاقرا فهب لي من لدنك وليا يرثني ويرث من آل يعقوب واجعله رب رضيا"۔(مریم ۵-۶)

ترجمہ: مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر دے جو میرا وارث بھی ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے اور اے پروردگار، اس کو پسندیدہ انسان بنا"۔

اور دوسری آیت "وورث سليمان داؤد" یعنی اور سلیمان داؤد کے وارث ہے"۔

---

(۱) بحار الانوار ۱۸۵/۱

تو اس طرح کی آیات سے استدلال کرنا بالکل غلط ہے، بلکہ ان سے استدلال کرنا قلت فہم اور قلت علم کی دلیل ہے، اس لئے کہ ان دونوں آیتوں میں وراثت سے نبوی وراثت مراد ہے جو علم، حکمت پر مشتمل ہے، یہاں مال کی وراثت مراد نہیں ہے، اس کے نقلی اور عقلی دلائل پائے جاتے ہیں۔

جہاں تک دلائل نقلیہ کا تعلق ہے تو اس کو بیان کیا جا چکا ہے اور جہاں تک عقلی دلائل کا تعلق ہے تو متدرجہ ذیل سطور میں ان کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے

پہلی آیت "یرثنی و یرث من آل یعقوب" (مریم ٦) یعنی وہ میرے اور آل یعقوب کا وارث بنے"۔

۱- سید محمد حسین فضل اللہ کہتے ہیں تا کہ وہ سلسلۂ رسالت کا امتداد اور اس زنجیر کی کڑی بن جائے جو اللہ کی طرف بلائے، اس کے لئے عمل کرے، اسی کے راستہ میں جہاد کرے، اور رسالت اس کی روح، اس کی فکر اور عمل کے ذریعہ جاری و ساری رہے"۔ (۱)

۲- کیا کسی نبی کے بارے میں یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی آ سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالی سے اپنی اولاد کے لئے فانی دنیا کا مطالبہ کرے اور اس کو اسی کا وارث بنائے جب کہ نبی ابدی جنت اور سرمدی نعمتوں کا حریص ہوتا ہے، لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ مذکورہ آیت میں حضرت زکریا علیہ السلام مالی وراثت کی دعا کریں۔

۳- انبیاء کرام سب کے لئے بہترین اسوہ ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں، لہذا اگر وہ لوگوں کو تو انفاق کا حکم دیں تو ان کے لئے یہ

(۱) تفسیر من وحی القرآن سورہ مریم ٦

کیسے مناسب ہے کہ اپنے پاس متاع دنیا کی یہ فانی چیز باقی رکھیں "أتأمرون الناس بالبر وتنسون أنفسكم وأنتم تتلون الكتاب أفلا تعقلون" (البقرة ۴۴) یعنی کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو"۔ بلکہ انبیاء تو سب سے زیادہ خیر کے راستوں میں خرچ کرنے والے ہوتے ہیں۔ زکریا علیہ السلام کی اس دعا میں وراثت سے مال مراد نہیں تھا اس کی وضاحت مندرجہ ذیل نکتہ سے ہوتی ہے

۴- اگر ہم اللہ تعالی کے اس پورے قول کو پڑھیں جس میں یہ بھی ہے کہ "ویرث من آل یعقوب"۔ "وہ آل یعقوب کا بھی وارث ہو" تو بغیر کسی تردد کے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وراثت سے علم و نبوت کی وراثت مراد ہے اور کوئی چیز نہیں۔

واللہ! اگر زکریا علیہ السلام کا یہ سوال مال سے متعلق تھا تو کیا تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کسی بھی شخص کے لئے یہ ممکن ہے کہ ہمیں بتا سکے کہ آل یعقوب کے گھرانے میں کتنے افراد تھے یا یہ کہ آل یعقوب میں حضرت یحیٰ کی پوزیشن کیا تھی؟

انصاف پسند قاری جب کتاب اللہ کا مطالعہ کرے گا تو یقینی طور پر اس کو یہ بات معلوم ہوگی کہ بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کا تعلق آل یعقوب سے تھا، اس لئے کہ اسرئیل سے اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام مراد ہیں۔ اور انبیاء کے علاوہ بھی بنی اسرائیل میں عام لوگوں کی کتنی بڑی تعداد تھی تو کیا سب کا حصہ صرف حضرت یحیٰ کو ملتا!؟

قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ بذات خود علماء کا فہم، تفاسیر میں غور و فکر اور تاریخی دلائل یہ سب چیزیں اس دعوی کی تردید کرتی ہیں کہ اس آیت میں مالی وراثت کا تذکرہ ہے۔

یہ ایک مذہبی اور عقلی بات ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ ہو جو کہ نبی ہیں اور زکریا علیہ السلام کا تذکرہ ہو جو کہ نبی ہیں تو عقل سلیم کا تقاضا یہ ہے کہ یہی سمجھا جائے کہ مراد نبوی اور علم و حکمت کی وراثت ہے، وہ مالی وراثت نہیں چاہتے تھے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ زکریا علیہ السلام مالدار نہیں تھے بلکہ ایک بڑھئی تھے اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے لہذا یحیی علیہ السلام کس مال کے وارث بنتے؟!

جہاں تک دوسری آیت سے استدلال کرنے کا تعلق ہے یعنی "وورث سلیمان داؤد" (نمل ۱۶) یعنی اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے" تو اس سے بھی مالی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ نبوت، حکمت اور علم کی وراثت مراد ہے۔

شیخ محمد سبزواری شیعی کہتے ہیں یعنی داؤد حکومت وسلطنت اور نبوت کے وارث ہوئے بایں طور کہ دوسرے تمام بیٹوں کے مقابلہ میں وہی ان کے قائم مقام ہوئے حالانکہ ان کے انیس بیٹے تھے۔ (۱)

تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کی بیویاں اور باندیاں کافی تھیں اور اللہ تعالی نے ان کو کافی اولاد بھی عطا کی تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی اولاد میں صرف سلیمان علیہ السلام ان کے وارث ہوئے؟

اور یہ بھی معلوم ہے کہ تمام بھائی والد کی وراثت میں شریک ہوتے ہیں، لہذا وراثت میں سلیمان علیہ السلام کی تخصیص درست نہیں ہے جب کہ دوسرے ورثاء موجود ہیں۔

(۱) تفسیر الجدید مزید دیکھئے تفسیر معین (سورۃ النمل ۱۶)

اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ یہ آیت دنیوی وراثت سے متعلق ہے تو پھر کتاب اللہ میں اس کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت اور فائدہ ہے یہ تو ایک طبعی اور فطری بات ہے کہ بیٹا اپنے والد کا وارث ہوتا ہے پھر کتاب اللہ میں بلاغت، عبرت و نصیحت اور فائدہ کیسے حاصل ہوگا جب کہ ایسی چیز کا تذکرہ کیا جائے جو لوگوں کو معلوم ہو اور اس کو ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو؟!

۵- طالب حق کے سامنے یہاں پر بعض سوالات پیدا ہو سکتے ہیں

حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فدک کا مطالبہ اس طور پر کیا تھا کہ وہ ان کا وراثتی حق تھا یا وہ ان کو ان کے والد کی طرف سے ہبہ اور ہدیہ ملا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فتح خیبر کے بعد ہبہ کیا تھا۔

اس سوال کا ثمرہ اور نتیجہ اخیر میں سامنے آئے گا البتہ یہ بات مسلم ہے کہ فاطمہ علیہا السلام نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منع کرنے کی دلیل بیان کر دی تو وہ چلی گئیں اور ان سے پھر بات نہیں کی، تو کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وراثت کا مطالبہ کر رہی تھیں یا ہبہ کا، اگر وہ وراثت کا مطالبہ تھا تو انبیاء دینار و درہم کا وارث نہیں بناتے ہیں، جیسے کہ اس کی تفصیل آ چکی ہے، اور اگر وہ ہدیہ یا ہبہ تھا تو اس سلسلہ میں چند چیزیں قابل غور ہیں

۱- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی حضرت فاطمہ کو فدک کی زمین نہیں دی، کیا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اس وقت اس کا علم ہوا جب کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا اور ان سے وراثت کی حیثیت سے نہ کہ ہبہ کی حیثیت سے مطالبہ کیا تھا، تاریخی طور پر یہ معلوم ہے کہ خیبر کی فتح سات ہجری کے آغاز میں ہوئی اور

حضرت زینب بنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سن آٹھ میں ہوئی، ان کی بہن حضرت ام کلثوم کی وفات سن نو ہجری میں ہوئی، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو چھوڑ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ اور ہدیہ کیسے دے سکتے تھے، کیا حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب کو ایسے ہی چھوڑ دیتے؟

یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صریح الزام واتہام ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ اپنی اولاد کے بارے میں ناانصافی اور تفریق کرتے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

۲۔ بالفرض اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ ارض فدک حضرت فاطمہؓ کے لئے ہبہ اور عطیہ تھی تو حضرت فاطمہ نے اس پر قبضہ کیا تھا یا نہیں؟

اگر انہوں نے اس پر پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا تو پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کیوں آتی ہیں اور مطالبہ کرتی ہیں؟ اور اگر اس پر قبضہ نہیں کیا تھا تو شرعی اعتبار سے اگر ہبہ پر قبضہ نہ کیا ہو تو ایسا ہی ہے جیسے کہ موہوب لہ کو وہ چیز دی ہی نہ گئی ہو اور یہ چیز واہب کے ورثاء کو مل جاتی ہے۔

۴۔ ہمارے ہاں فقہ میں یہ معلوم حقیقت ہے کہ اراضی کی جائداد میں عورتوں کو عینہ وہی میراث نہیں ملتی ہے بلکہ ان کے لئے اس کی قیمت لی جاتی ہے اور ائمہ سے اس کا ثبوت ہے۔

میسر بیاع سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ علیہ السلام سے عورتوں کے بارے میں معلوم کیا کہ کیا وہ زمین کی وارث ہوں گی؟ انہوں نے کہا نہیں، بلکہ وہ قیمت کی وارث ہوں گی، کہتے ہیں میں نے کہا لوگ تو اس راضی نہیں ہوتے ہیں، انہوں نے کہا اگر ہم والی بنے اور پھر وہ راضی نہ ہوں تو ان کو ہم کوڑوں کے ذریعہ ماریں گے، اگر وہ پھر بھی

درست نہ ہوئے تو ان کو تلوار سے ماریں گے۔ (۱)

۷۔ واقعہ کی اصل صورتحال اور صحیح توجیہ

تمام خواتین جنت کی سردار حضرت فاطمۃ الزہراء نے کسی ناحق چیز کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایسی چیز کا مطالبہ کیا جس کو وہ اپنا حق سمجھتی تھیں، اور جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے سامنے منع کرنے کا سبب بیان کر دیا تو وہ خوش دلی کے ساتھ چلی گئیں اور اس معاملہ کے بارے میں دوبارہ بات نہیں کی ایسا نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی حضرت ابوبکرؓ سے بات کرنا چھوڑ دیا ہو۔

اس توجیہ اور بیان کی وضاحت حضرت علیؓ کے طرز عمل سے ہوتی ہے کیونکہ وہ جب خلیفۃ المسلمین بنے تو انہوں نے فدک کو اپنی اولاد کے سپرد نہیں کیا بلکہ جب ان سے اس سلسلہ میں مطالبہ بھی کیا گیا تو انہوں نے فرمایا مجھے اللہ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں ایسی چیز کو واپس لوں جس کو دینے سے حضرت ابوبکرؓ نے منع کر دیا اور حضرت عمرؓ نے بھی انہی کے فیصلہ کو برقرار رکھا"۔ (۲)

لہذا اگر حضرت ابوبکرؓ پر یہ ظلم لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمۃ الزہراء کو ان کا حق نہ دے کر (نعوذ باللہ) ظلم کیا تو کیا پھر۔ نعوذ باللہ۔ حضرت علیؓ پر بھی یہی حکم لگایا جا سکتا ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنی اولاد کو ان کی ماں کا وراثتی حق نہیں دلوایا؟

اہل بیت اور تمام مسلمانوں سے محبت رکھنے والا شخص ہر ایک کو ظلم کرنے سے بالاتر

(۱) الکافی ۷/۱۲۹، مزید دیکھئے وسائل الشیعہ ۲۶/۷، تہذیب الاحکام ۹۰/۲۹۹

(۲) شرح نہج البلاغہ ۱۶/۲۵۲

سمجھتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے تمام صحابہؓ کے بارے میں بدگمانی سے دور رہتا ہے اس کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل، باتوں سے بھی ہوتی ہے۔

۸- حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس جائداد کے بارے میں اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے یا دوسری امہات المومنین کے لئے دعوی نہیں کیا بلکہ میراث کی حرمت میں تمام اہل بیت شامل ہیں (بحار الانوار ۲۵/۷) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی بنیاد پر ہی کیا، تو کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت پر عمل کر کے غلطی کا ارتکاب کیا؟

۹- حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہ کو میراث نہیں دی، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس کا سبب عداوت و کراہیت تھی جیسے کہ بعض فتنہ پرور لوگ اس طرح کی بات کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لئے اس وقت کوئی خادمہ نہیں دی جب کہ انہوں نے مطالبہ بھی کیا تھا، حالانکہ شرعی اعتبار سے یہ مباح ہے، تو کیا ہم۔ معاذ اللہ۔ اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اسی طرح الزام لگائیں گے؟!

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے "۔۔۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تشریف لے جانے لگے تو حضرت فاطمہ نے آپؐ سے کہا اماجان! میں گھر کا کام نہیں کرسکتی ہوں اس لئے مجھے ایک خادمہ عنایت فرمادیجئے جو میری خدمت کیا کرے اور گھر کے کاموں میں میری معاونت کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے فاطمہ! کیا تم خادم سے بہتر چیز چاہتی ہو؟ حضرت علیؓ نے کہا

کہو کیوں نہیں، انہوں نے کہا اماجان! کیا خادم سے بہتر چیز؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ پڑھا کرو، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمدللہ پڑھا کرو اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو، یہ پڑھنے کے اعتبار سے تو سو بار ہوگا لیکن میزان میں ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں گی"۔(۱)

۱۰- کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ۔علیہا السلام۔ کے ناراض ہونے کی وجہ سے ناراض ہوتے تھے، یہ بالکل صحیح ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت فاطمہ۔رضی اللہ عنہا۔ کو ناراض کرنا نہیں تھا، اس لئے کہ ان کا منع کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل تھی، یہ اگر کوئی بھی کرتا چاہے حضرت ابوبکر صدیق کرتے یا اور کوئی، کسی کے لئے بھی کوئی برائی کی بات نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء جب بھی ناراض ہوں تو ہر موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے ہوں چنانچہ حضرت علیؓ اور فاطمۃ الزہراء کے بیچ بھی ایسی معاملات پیش آئے جیسے کہ میاں بیوی کے مابین پیش آتے رہتے ہیں، تو کیا ایسی چیزوں کی وجہ سے ہم حضرت علیؓ کی عدالت کے بارے میں کلام کرسکتے ہیں، جیسے کہ بہت سے لوگ اس حدیث کا مطلق مفہوم لیتے ہیں!

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچازاد بھائی اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء کے مابین عدل وانصاف کا معاملہ فرماتے تھے نہ کہ جذباتیت اور پدری

(۱) کشف الغمۃ ۱/۳۶۲، بحار الانوار ۴۳/۱۳۴

سمجھتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے تمام صحابہؓ کے بارے میں بدگمانی سے دور رہتا ہے اس کی مزید وضاحت مندرجہ ذیل ۱۰ باتوں سے بھی ہوتی ہے۔

۸- حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس جائداد کے بارے میں اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے یا دوسری امہات المومنین کے لئے دعوی نہیں کیا بلکہ میراث کی حرمت میں تمام اہل بیت شامل ہیں (بحار الانوار ۲۵/۷۰) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی بنیاد پر ہی کیا، تو کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت پر عمل کر کے غلطی کا ارتکاب کیا؟

۹- حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہ کو میراث نہیں دی، اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس کا سبب عداوت و کراہیت تھی جیسے کہ بعض فتنہ پرور لوگ اس طرح کی بات کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لئے اس وقت کوئی خادمہ نہیں دی جب کہ انہوں نے مطالبہ بھی کیا تھا، حالانکہ شرعی اعتبار سے یہ مباح ہے، تو کیا ہم نعوذ باللہ - اس امت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اسی طرح الزام لگائیں گے؟!

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے "— پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تشریف لے جانے لگے تو حضرت فاطمہ نے آپؐ سے کہا ابا جان! میں گھر کا کام نہیں کر سکتی ہوں اس لئے مجھے ایک خادمہ عنایت فرما دیجئے جو میری خدمت کیا کرے اور گھر کے کاموں میں میری معاونت کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے فاطمہ! کیا تم خادم سے بہتر چیز چاہتی ہو؟ حضرت علیؓ نے کہا

کہو کیوں نہیں، انہوں نے کہا ابا جان! کیا خادم سے بہتر چیز؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ پڑھا کرو، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ پڑھا کرو اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو، یہ پڑھنے کے اعتبار سے تو سو بار ہوگا لیکن میزان میں ہزار نیکیاں لکھ دی جائیں گی"۔(۱)

۱۰- کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ -علیہا السلام- کے ناراض ہونے کی وجہ سے ناراض ہوتے تھے، یہ بالکل صحیح ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت فاطمہ -رضی اللہ عنہا- کو ناراض کرنا نہیں تھا، اس لئے کہ ان کا منع کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل تھی، یہ اگر کوئی بھی کرتا چاہے حضرت ابوبکر صدیق کرتے یا اور کوئی، کسی کے لئے بھی کوئی برائی کی بات نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء جب بھی ناراض ہوں تو ہر موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے ہوں چنانچہ حضرت علیؓ اور فاطمۃ الزہراء کے بیچ بھی ایسی معاملات پیش آئے جیسے کہ میاں بیوی کے مابین پیش آتے رہتے ہیں، تو کیا ایسی چیزوں کی وجہ سے ہم حضرت علیؓ کی عدالت کے بارے میں کلام کر سکتے ہیں، جیسے کہ بہت سے لوگ اس حدیث کا مطلق مفہوم لیتے ہیں!

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچازاد بھائی اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء کے مابین عدل وانصاف کا معاملہ فرماتے تھے نہ کہ جذباتیت اور پدری

(۱) کشف الغمہ ۱/۳۶۲، بحار الانوار ۴۳/۱۳۴

جاسر داری کا معاملہ۔

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؓ کی شکایت کی اور کہا اے اللہ کے رسول! وہ جو کچھ بھی پاتے ہیں اس کو غرباء میں تقسیم کر دیتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے فاطمہ! کیا تم مجھے میرے بھائی اور چچا کے بیٹے کے بارے میں ناراض کرتی ہو، اس کی ناراضگی میری ناراضگی ہے، اور میری ناراضگی اللہ عزوجل کی ناراضگی ہے۔(۱)

۱۱- ہم نے ابتداء میں اس کا تذکرہ کیا تھا کہ دشمنانِ اسلام کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کریں اور غلط باتوں کی ترویج اور خود ساختہ واقعات کو عام کر کے وہ اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں، جن واقعات کے ذریعہ یہ معلوم ہوتا ہو کہ پہلی مبارک نسل کے مابین بغض وعناد پایا جاتا تھا، ہم اگر اپنے آپ سے پوچھیں اور ذرا عقل سے کام لیں کہ ایک ایسے قصہ سے ہم کو کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے جس کو بعض مجالس میں سالانہ دہرایا جاتا ہے اور جذبات کو مشتعل کیا جاتا ہے اور یہ صرف ایسے بے بنیاد واقعات کو ذکر کر کے کیا جاتا ہے جن سے اہل بیت کے تئیں عداوت ودشمنی کا اظہار ہوتا ہو۔

ایک عاقل وبینا منصف شخص اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس فعل کے بارے میں ذرا تامل سے کام لے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو بھی فیصلہ کیا وہ رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد خالص شرعی حکم کے موجب تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے لہذا اس میں حضرت ابوبکرؓ کی کیا غلطی ہے اگر

(۱) بحار الانوار: ۴۳/۱۵۳؛ کشف الغمہ: ۱/۴۷۲

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں؟

اس کے برعکس بہت سے ماننے والے اہل جنت کی سردار حضرت فاطمہؓ پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اور کہتے ہیں

فاطمہ کا معاملہ بھی عجیب وغریب ہے، تمام مسلمان ان کی مخالفت کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کی ناراضگی اور جھگڑا یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ سے ابدی قطع تعلق کر لیتی ہیں جس سے اسلام منع کرتا ہے اور یہ سب کچھ خواہش نفس اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اور مال ودولت اور فانی دنیا کی محبت کی وجہ سے تھا، اسی لئے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا، اسی طرح وہ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہت زیادہ پریشان کرتی تھیں خاص طور پر شروع میں حضرت علیؓ سے شادی نہ کرنے کے سلسلہ میں مسلسل بحث کیا کرتی تھیں کیونکہ وہ شروع میں تنگدست اور بے مایہ تھے، روایات سے یہ چیزیں ثابت ہیں مثلاً

ابو اسحاق سبیعی سے حارث کے واسطے سے حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا فاطمہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں نے ایک ایسے شخص سے تمہارا نکاح کیا جو میری امت میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والا، سب سے زیادہ بردبار اور سب سے زیادہ علم والا ہے؟ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہو، البتہ مریم بنت عمران کے لئے بھی اللہ تعالی نے ایک خاص مقام رکھا ہے اور تمہارے دونوں بیٹے جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں"۔(۱)

(۱) امالی الطوسی: ۲۴۸

ابو صالح سے حضرت ابن عباس کے واسطے سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا فاطمہ۔علیہا السلام۔ بھوک اور کپڑوں کی وجہ سے رو پڑیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ! اپنے شوہر پر قناعت کرو واللہ! وہ دنیا میں بھی سردار ہیں، اور آخرت میں بھی سردار ہیں۔ (۱)

اہل بیت سے محبت کرنے والو! کیا آپ کو یہ پسند ہے کہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جائیں جو ناصبیوں کی طرح ان پاکیزہ نفوس سے بغض وحقد رکھتے ہیں؟ یا آپ صحیح مبارک طریقہ اختیار کر کے اہل بیت کی جانب سے دفاع کریں گے جب کہ ان لوگوں کے تئیں دل بالکل پاک وصاف ہو جو سید البشر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، ان دونوں زمروں میں کون سا زمرہ بہتر ہے؟

(۱) احقاق ۲/۳۱۹، بحار الانوار ۴۳/۹۹

ساتواں اعتراض

حضرت ابو بکرؓ کا حضرت فاطمہؓ کی توہین کرنے کا دعویٰ

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو کچھ کیا، آپ اس کے بارے میں کیا کہیں گے جب کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے گھر پر حملہ کیا ان کو مار دیا، اور ان کی زوجہ کو مارا یہاں تک کہ ان کی ہڈی ٹوٹ گئی، اور ان کا جنین ساقط ہو گیا، اس کے بعد ان کے گھر کو خاکستر کر دیا، جیسے کہ تاریخی روایات میں مذکور ہے؟

کیا ان جیسے قبیح اعمال کے ذریعہ کہیں بھی محبت وہمدردی ظاہر ہوتی ہے یا ان سے اہل بیت سے نفرت وعداوت ظاہر ہوتی ہے؟

جواب:- کسی بھی طالب حق کے لئے مناسب نہیں ہے کہ صرف کسی بھی تاریخی روایت کو پڑھ کر متاثر ہو، وہ اس کے مصدر، ماخذ سے ناواقف ہو، چہ جائے کہ اس کی صحت وسقم کو جانتا ہو، اس کے بعد اس کو صرف پڑھ کر اس کو لوگوں میں عام کرے، ہم دیکھتے ہیں کہ ان روایات کے ذریعہ بہت سے لوگ جذباتی کیفیت کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد صحابہ کرام کے بارے میں ان کے دل میں بغض وعناد پیدا ہو جاتا ہے۔

اہل بیت، خیر اور علم سے محبت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر چیز کی تحقیق کرے اور روایات کو قبول کرنے کے سلسلہ میں بہت ہی باریک بینی سے کام لے اور صرف ان صحیح روایات پر عمل کرے جو حدیث کی صحیح شرائط پر پوری اترتی ہوں اور کبھی بھی کسی متعین واقعہ کے سلسلہ میں موضوع اور گڑھی ہوئی احادیث سے دھوکہ نہ کھائے، اگر چہ وہ کتنی ہی لوگوں میں عام ومشہور ہو گئی ہوں۔

۱- یہ قصہ بھی انہی من گھڑت کہانیوں میں سے ہے جن کو فتنہ پرور لوگ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے ہم ہر طالب حق سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ کوئی بھی ایک روایت تلاش کر کے پیش کرے جس سے اس من گھڑت قصے کا ثبوت ملتا ہو اور وہ حدیث کے صحیح قواعد پہ پورا اترتا ہو، جس کی سند بھی متصل ہو اور اس کا راوی بھی عادل وثقہ ہو۔

عجیب وغریب بات ہے کہ اس قصہ سے استدلال کرنے والے اس روایت پر آخری درجہ کا ایمان رکھتے ہیں اور صرف جذبات سے متاثر ہوتے ہیں اور اس سلسلہ میں ذرہ برابر غور وفکر نہیں کرتے ہیں۔

سید ہاشم معروف حسنی حضرت فاطمۃ الزہراء سے متعلق ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں اس کے علاوہ بھی بہت سی روایت ہیں جن کی سند قواعد کے اعتبار سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہیں۔(۱)

مزید فرماتے ہیں بہر حال اصل صورتحال جو بھی ہو، لیکن فدک کے بارے میں حضرت فاطمہؓ کی میراث کے بارے میں اور اس سے متعلق بہت سے واقعات کافی طویل بھی ہیں اور بہت زیادہ ہیں لیکن اس میں شک وشبہ کی کوئی بات نہیں ہے کہ دشمنان اسلام نے ان روایات کا ایک معتدبہ حصہ وضع کیا اور تحقیق وتمحیص کے بعد ان روایات میں سے بہت ہی کم روایات صحیح طور پر ثابت ہوتی ہیں۔(۲)

(۱) دیکھیے سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر ۱/۱۲۳

(۲) سیرۃ الائمۃ الاثنی عشر ۱/۱۲۰

کاشف الغطاء فرماتے ہیں لیکن حضرت فاطمۃ الزہراء کو مارنے والے قضیہ کو میرا وجدان، میری عقل اور میرا شعور واحساس قبول نہیں کر سکتا ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ یہ لوگ اس خطرناک جرم کی جرأت نہیں کر سکتے تھے بلکہ اس لئے بھی کیونکہ عربی عادات اور جاہلی تقالید جس کو شریعت اسلامیہ نے اور مستحکم کیا اور ان کو مزید مؤکد کیا، میں بھی سختی سے عورت کو مارنے کی ممانعت پائی جاتی ہے۔(۱)

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو حکم دیا گیا تھا کہ صحابہ سے اس وقت مقابلہ نہ کریں جب کہ ان کی زوجہ تمام خواتین کی سردار پر زیادتی کی گئی۔ تاکہ پرچم اسلام محفوظ رہے، امت میں افتراق وانتشار نہ ہو اس لئے ان کو ان کی طرف سے ملنے والی تکلیف پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

لیکن ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں

سب سے پہلے تو ہمارا دعوی یہ ہے کہ یہ بات بالکل غیر صحیح ہے۔ اگر اس کو تسلیم بھی کیا جائے تو پھر جنگ جمل میں انہوں نے حضرت طلحہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کیوں مقابلہ کیا؟ اسی طرح اس کے بعد پھر صفین میں حضرت معاویہؓ کے لشکر سے مقابلہ ہوا، اور پھر نہروان میں بھی جب کہ خوارج کے ساتھ مقابلہ کیا، ان تمام مواقع پر پھر انہوں نے کیسے قتال کیا، کیا پھر اس سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر۔ نعوذ باللہ۔ عمل نہیں کیا؟

لیکن حقیقت یہی ہے اور پیش آمدہ واقعات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ

(۱) دیکھیے جنۃ الماوی ص ۱۳۵

حضرت علیؓ کو کسی نے بھی یہ حکم نہیں دیا تھا کہ ان پر جب ظلم کیا جائے اور اللہ کے شعائر کو پامال کیا جائے تو وہ مقابلہ نہ کریں اور جہاں تک دعوے کا تعلق ہے کہ حضرت علیؓ کی معزز زوجہ پر ظلم کیا گیا اور انہوں نے ان کے لئے بدلہ نہیں لیا تو اس روایت کو زبان سے ادا کرنے سے پہلے ایک مسلمان کو امیر المؤمنین حضرت علیؓ کا حال اور اللہ کے دین کے بارے میں اسی طرح اہل بیت سے تعلق رکھنے والی زوجہ مطہرہ کے بارے میں ان کی غیرت وحمیت کا استحضار کر لینا چاہئے۔

امام صادق - علیہ السلام - سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا "جو شخص ظلم کے دفاع میں مارا گیا تو وہ شہید ہے"۔(۱)

تو کیا امیر المؤمنین اور بہادروں کے شہسوار کے بارے میں یہ بات کسی سے پوشیدہ ہے؟!

ایک مسلمان کو اس سے محتاط رہنا چاہئے کہ ایسا کلام زبان سے ادا کرے جو اس کے حق میں نہ ہو بلکہ اس کے لئے وبال جان بنے، کیونکہ جو شخص یہ دعوی کرتا ہو کہ حضرت علی شہسوار تھے اور انہوں نے جیش طلحہ کے ساتھ مقابلہ کیا، اسی طرح اس کے بعد صفین میں بھی مقابلہ کیا۔ تو پھر وہ اپنے اہل بیت کی نصرت کرتے وقت کیوں پیچھے ہٹ گئے جب کہ ان کو اتنا پریشان کیا گیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ شہید نہ ہو جائیں؟

۳- فقہ پر ور انسان جو صحیح روایات کا التزام نہ کرتا ہو وہ سند کے اعتبار سے غیر صحیح روایات بیان کر سکتا ہے، صرف اسلئے کیونکہ وہ کتب تاریخ وادب میں موجود ہیں اور عام

(۱) الکافی ۵/۵۲، تہذیب الاحکام ۶/۱۶۷، وسائل الشیعہ ۱۵/۱۲۱

ہیں، اس کے بعد ان پر یقین بھی کرتا ہے اور پھر یہ اس کے نزدیک یقینی اور مسلم اشیاء کی طرح ہو جائیں جن کی صحت کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہ ہو۔

بلکہ اہل بیت سے بغض رکھنے والا اور ان کے بارے میں افترا اندازی کرنے والا یہ دعوی کر سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ الزہراء کو مارنے کا واقعہ، اسی طرح ان کے جنین کے گر جانے کا قضیہ اور ان کے گھر کو جلانے کا معاملہ ایک طے شدہ سازش کا نتیجہ ہے جس کو- نعوذ باللہ- حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کے اشتراک سے حضرت فاطمہ الزہراء کا کام تمام کرنے کے لئے رچا تھا۔

اس بے بنیاد اور غلط الزام واتہام کا دار ومدار بغض رکھنے والے کے ایسے دلائل پر ہے جن کو وہ اس من گھڑت قصے سے مستنبط کرتا ہے، اس کے استدلالات مندرجہ ذیل ہیں

۱- حضرت علیؓ نے اس وقت بہت ہی بہترین رول ادا کیا جب کہ انہوں نے اپنے آپ کو صحابہ کے حوالے کر دیا، جب وہ گھر میں داخل ہو رہے تھے تاکہ حضرت علیؓ اپنے گھر والوں کو یہ باور کرائیں کہ وہ بھی اسی سازش کا شکار ہوئے ہیں، ایک ایسے شخص کی جانب سے جس کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر گئی تھی اور دوسری کی عمر ترپن (۵۳) سال سے تجاوز کر چکی تھی، حالانکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت علیؓ کی طاقت کے سامنے جن وانس میں سے کوئی بھی نہیں ٹک سکتا تھا، جیسے کہ ان کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے تنہا خیبر کے عظیم دروازہ کو نکالا، حالانکہ چالیس لوگ ایک ساتھ اس کو اٹھا نہیں سکتے تھے۔

۲- یہ کہنا کہ مسلمانوں کے خون کو بہنے سے بچانے کی خاطر حضرت علیؓ نے دفاع یا مقابلہ نہیں کیا ایک بے بنیاد اور کمزور دلیل ہے، کیونکہ - ان کے بقول اعوذ باللہ - نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے تین صحابہ کے تمام صحابہ دین سے پھر گئے تھے، تو کیا مسلمانوں کے خون سے حضرت علیؓ کی مراد صرف ان تین کا خون تھا؟!! اور کیا ان کے نزدیک صحابہؓ کا خون حضرت فاطمۃ الزہراء کے خون سے زیادہ قیمتی اور پاک ہے، جس کی وجہ سے وہ حضرت فاطمہؓ کا دفاع نہیں کرتے ہیں؟!!

۳- حضرت فاطمۃ الزہراء کی وفات کے بعد حضرت علیؓ نے بنو حنیفہ کی ایک خاتون سے شادی کی جن کا بیٹا ابن الحنفیہ کے نام سے ملقب ہوا اور اس کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی بیٹی ام کلثوم کو اس سازش کے ایک رکن حضرت عمر بن خطاب کی زوجیت میں دیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی زوجہ کے دشمنوں کے ساتھ تعلقات کو مستحکم بنانا چاہتے تھے اور حضرت فاطمۃ الزہراء کے ساتھ محبت و وفاداری کا سلوک نہیں کرتے تھے۔

۴- کیونکہ حضرت علیؓ خلیفۂ اول و ثانی کے زمانہ میں قاضی اور وزیر کے عہدہ پر فائز ہوئے تو انہوں نے انتہائی شاندار رول ادا کر کے گویا اس کا بدلہ عطا کیا۔

۵- انہوں نے اپنی اولاد کو ابوبکر و عمر و عثمان کے ناموں سے موسوم کیا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیوہ سے نکاح کیا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ماضی سے ان کے کارناموں کو باقی رکھنا چاہتے تھے اگرچہ یہ حضرت فاطمہ کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو۔

۶- حضرت علیؓ نے حضرت فاطمۃ الزہراء کی اولاد کو ان کی والدہ کی فدک والی میراث نہیں دی جب کہ وہ خلیفۃ المسلمین تھے، اپنے سے پیش رو خلفاء کے نقش قدم پر ہی چلتے رہے بلکہ انہوں نے تراویح کو بھی برقرار رکھا اور متعہ کو بھی حرام ہی قرار دیا۔

کیا اہل بیت سے محبت کرنے والا کوئی بھی شخص اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ

کوئی بھی عقل رکھنے والا یہ پسند کرے گا کہ اس طرح کے الزامات و اتہامات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی جانب منسوب کرے، اور یہ بھی صرف ایسی روایات کی بنیاد پر جو من گھڑت اور جھوٹی ہوں جن سے کسی بھی صورت میں استدلال کرنا درست اور مناسب نہیں ہے؟!

☆☆☆

آٹھواں اعتراض

مالک بن نویرہ اور ان کی بیوی کے متعلق خالد بن ولیدؓ کا موقف

اعتراض حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے دور خلافت کے آغاز میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں صحابہ کی ایک جماعت روانہ کی اور انہوں نے صرف مسلمانوں کے خون کو اس لئے جائز قرار دیا، کیونکہ وہ ناواقفیت کی وجہ سے زکوۃ کی ادائیگی سے انکار کر رہے تھے جیسے کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کی قوم کے ساتھ کیا، اور حضرت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا اور اسی رات مالک کی بیوی سے نکاح بھی کر لیا، ان تمام چیزوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب ا۔کلمہ شہادت اور نماز کے بعد زکوۃ ارکان اسلام میں سے ایک عظیم رکن ہے، یہ مالداروں کے مال میں فقراء اور مساکین کا حق ہے، اس لئے اللہ تعالی نے اپنی کتاب عزیز میں نماز اور زکوۃ کو اکثر ایک ساتھ بیان فرمایا ہے مثلاً "وآتوا الزکاۃ وارکعوا مع الراکعین" (بقرہ ۴۳)

ترجمہ "نماز قائم کرو، زکوۃ دو، اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ"۔

"واقیموا الصلاۃ وآتوا الزکاۃ وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ إن اللہ بما تعملون بصیر" (بقرہ ۱۱۰)

ترجمہ "تم نماز قائم کرو، اور زکوۃ دو، تم اپنی عاقبت کے لئے جو بھلائی کما کر آگے بھیجو گے، اللہ کے ہاں اسے موجود پاؤ گے، جو کچھ تم کرتے ہو، وہ سب اللہ کی نظر میں ہے"۔

ابوجعفر سے منقول ہے فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے نماز کے ساتھ زکوۃ کو بیان فرمایا ہے فرمایا ہے "واقیموا الصلوۃ وآتوا الزکاۃ" لہذا جس نے نماز قائم کی اور زکوۃ ادا نہیں کی تو اس کی نماز بھی ادا نہیں ہوئی"۔(۱)

محمد بن مسلم، ابوبصیر، برید اور فضیل سب کے سب ابو جعفر اور ابو عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے فرمایا اللہ تعالی نے نماز کے ساتھ زکوۃ کو فرض کیا ہے"۔(۲)

اسی لئے تارک زکوۃ کا حکم بھی تارک نماز جیسا ہے اور وہ قتل ہے، اس کا ثبوت قرآن پاک میں بھی موجود ہے، ارشاد باری تعالی ہے "فاذا انسلخ الأشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد، فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم إن الله غفور رحيم" (توبہ ۵)

ترجمہ پس جب حرام مہینے گذر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو"۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو انہیں چھوڑ دو، اللہ درگذر فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے"۔

علی بن ابراہیم نے اسماعیل بن مرار سے، انہوں نے یونس سے، انہوں نے ابن مسکان سے مرفوعاً ایک شخص کے واسطہ سے اور اس نے ابوجعفر سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ نے

(۱) الکافی ۳/۵۰۶، من لا یحضرہ الفقیہ ۲/۱۰، وسائل الشیعہ ۲۲/۹
(۲) الکافی ۳/۴۹۷، وسائل الشیعہ ۱۳/۹

فرمایا اے فلاں! فلاں، فلاں کھڑے ہو جاؤ! یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ لوگوں کا نام لیا اور اس کے بعد ان سے فرمایا ہماری مسجد سے نکل جاؤ، اس میں نماز مت پڑھو کیونکہ تم زکوۃ نہیں دیتے ہو"۔(۱)

۲- کبار علماء کی روایت کردہ تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہت سے اعراب اسلام سے مرتد ہو گئے اور بعض نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔

علامہ طوسی نے امالی میں ابراہیم بن مہاجر سے ابراہیم کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ اشعث بن قیس اور بہت سے لوگ اس وقت ارتداد کا شکار ہو گئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، ان لوگوں نے کہا ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوۃ نہیں دیں گے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور کہا میں کسی ایسے عہد و پیمان کو نہیں توڑ سکتا ہوں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو اور نہ ہی اس چیز میں کوئی کمی کر سکتا ہوں جس کو اللہ کے نبی تم لوگوں سے وصول کرتے تھے میں تم سے جہاد کروں گا اگر لوگوں نے ایک رسی دینے سے بھی انکار کر دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دیا کرتے تھے: میں اس رسی کی وجہ سے تم سے جہاد کروں گا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت پڑھی، وما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل (آل عمران ۱۴۴)(۲)

ترجمہ "محمد اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور

(۱) الکافی ۳/۵۰۳، من لا یحضرہ الفقیہ ۲/۱۲، وسائل الشیعہ ۹/۲۴، تہذیب الاحکام ۴/۱۱۱

(۲) الامالی ص ۲۶۴، بحار الانوار ۲۸/۱۱

رسول بھی گذر چکے ہیں۔"

اسی عظیم موقف کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں کی فوج روانہ کی تاکہ وہ ان مرتدین سے قتال کریں، جن لوگوں سے حضرت خالد بن ولید نے جنگ کی ان میں مالک بن نویرہ کی قوم بھی تھی، انہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، نہ حضرت ابوبکر کو دی اور نہ ہی اور کسی کو۔

۳- بہت سے فتنہ پرور اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والے لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اس عمل کو برا سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت سے غزوات اور جنگوں میں حضرت خالد بن ولید کو لوگوں کو قتل کرنے کے لیے اور ان کا مال چھیننے کے لئے بھیجا۔ (جیسے کہ بہت سے لوگ افتراء اندازی کرتے ہوئے اور بہتان تراشی کرتے ہوئے کہتے ہیں)۔

صحیح بات یہ ہے کہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی حضرت خالد بن ولید کو افواج کی قیادت کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو بھیجا کرتے تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مختلف معرکوں میں امیر بنا کر بھیجا، مثلاً طائف، یمن، بحرین، دومۃ الجندل اور دیگر بہت سے مقامات پر۔

حالانکہ حضرت خالدؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان عظیم مواقع پر بھیجا گیا لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ ان جلیل القدر صحابی کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے ہیں اور ان کی حسنات اور کارہائے نمایاں کو مخفی رکھتے ہیں تاکہ ان کی شبیہ کو بگاڑ کر پیش کیا جائے۔

۴- ارشاد باری تعالیٰ ہے: وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض كما استخلف الذين من قبلهم

ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون" (النور ۵۵)

ترجمہ: اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

یہ تینوں شرائط صحابۂ کرام کو حاصل ہوئیں، استخلاف بھی، دین کا استحکام بھی اور خوف کا خاتمہ بھی، جب لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوئے اور صحابہ نے ان سے قتال کیا تو اس کے ذریعہ امن و سلامتی حاصل ہوئی۔

۵- مالک بن نویرہ کو قتل کرنے کے بارے میں تین روایات منقول ہیں

☆ حضرت خالد بن ولیدؓ جب مالک بن نویرہ اور اس کی قوم کے پاس پہنچے تو ان سے کہا تمہارے مال کی زکوٰۃ کہاں ہے؟ تم کو کیا ہوگیا ہے کہ تم زکوٰۃ اور نماز میں تفریق کرلی ہے؟

مالک بن نویرہ نے کہا یہ مال ہم تمہارے صاحب کو ان کی زندگی میں دیا کرتے تھے، ان کا انتقال ہوگیا لہذا اب ابوبکر کو کیوں دیں گے؟ اس پر حضرت خالد بن ولید غصہ ہوئے اور کہا کیا وہ صرف ہمارے صاحب ہیں اور تمہارے نہیں؟ اس کے بعد حضرت خالد

نے حضرت ضرار بن ازور کو اس کی گردن مارنے کا حکم دیا۔

☆ دوسری روایت یہ ہے کہ مالک بن نویرہ نے سجاح کی پیروی کی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

☆ ایک تیسری روایت بھی ہے وہ یہ کہ جب حضرت خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کی قوم سے بات کی اور اس سلسلہ میں ان کو تنبیہ کی، ان میں سے بعض کو مقید کیا تو انہوں نے اپنے ایک محافظ سے کہا "ادفئوا اسراکم" اپنے قیدیوں کے لئے سردی سے بچنے کا انتظام کرو، اس رات کو بہت زیادہ سردی تھی، قبیلہ ثقیف کی لغت کے مطابق ادفئوا کا مطلب تھا قتل کرو، اس لئے محافظ نے یہ سمجھا کہ حضرت خالد قتل کرنے کا حکم دے رہے ہیں، اس نے ان کو اپنی سمجھ کے مطابق قتل کر ڈالا حالانکہ حضرت خالد نے یہ حکم نہیں دیا تھا۔

اگر ہم سابقہ روایات میں سے کسی کو بھی درست مان لیتے ہیں تو اگر مالک بن نویرہ کو قتل کرنے کے بارے میں حضرت خالد بن ولید سے غلطی ہوئی ہے تو اس سلسلہ میں ان کو معذور قرار دیا جاسکتا ہے مثلاً یہ کہ انہوں نے مانع زکوٰۃ کو قتل کیا ہے، یا کیوں کہ مالک نے سجاح کذاب کی اتباع کی تھی اس لئے اس کو قتل کیا اور کوئی دلیل حضرت خالدؓ کے پاس موجود تھی جس کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا، بہرحال کسی بھی صورت میں حضرت خالد کسی حد یا قصاص کے مستحق نہیں ہیں، جیسا کہ حضرت خالد سے اس موقع پر ہوا، ایسا ہی صحابی جلیل حضرت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوا جب کہ انہوں نے ایسے شخص کو قتل کیا جس نے آخری وقت میں لا الہ الا اللہ پڑھا تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی دیت یا کفارہ واجب نہیں کیا تھا۔

علامہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں فرماتے ہیں "یا ایھا الذین

آمنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبینوا ولا تقولوا لمن ألقی الیکم السلم لست مومنا تبتغون عرض الحیاۃ الدنیا " (نساء ۹۴) ترجمہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو دوست دشمن میں تمیز کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اسے فوراً یہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں ہے، اگر تم دنیوی فائدہ چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمہارے لئے بہت سے اموال غنیمت ہیں۔"

کہتے ہیں اس کا نزول اس وقت ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے واپس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو ایک دستہ لے کر فدک کی جانب یہودیوں کی ایک بستی میں بھیجا تا کہ ان کو اسلام کی دعوت دیں، ایک یہودی شخص ایک بستی میں رہتا تھا جس کا نام مرداس بن نہیک فدکی تھا، جب اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے دستہ کے بارے میں پتہ چلا تو اس نے اپنے گھر والوں کو اور اپنے مال کو جمع کیا اور ایک پہاڑ میں پناہ لی اور کہنے لگا **اشھد ان لا إلـٰه الا الله وان محمدا رسول الله**، اس کے پاس سے حضرت اسامہ بن زید کا گذر ہوا انہوں نے اس پر وار کیا اور اس کو قتل کر ڈالا، جب حضرت اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تم نے ایسے شخص کو قتل کر ڈالا جو گواہی دے رہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں؟ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! اس نے تو قتل سے بچنے کے لئے یہ کلمہ پڑھا تھا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے تو اس کے دل کو چیر کر نہیں دیکھا تھا، نہ تو تم نے اس چیز کو قبول کیا جو اس کی زبان پر تھی، اور نہ ہی تم کو وہ چیز معلوم تھی جو اس کے دل میں تھی، اس کے بعد حضرت اسامہ نے قسم کھائی کہ کسی ایسے شخص

سے قتال نہیں کریں گے جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں"۔(۱)

۲- جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ حضرت خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا اس کے بعد اس کی بیوی سے اسی رات میں نکاح کر لیا، تو یہ بالکل سراسر غلط اور بے حیا قول ہے، جو کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، اور یہ اس کا مستحق بھی نہیں ہے کہ اس کے بارے میں کوئی تردیدی قول بیان کیا جائے۔ اس قول کے بے بنیاد ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہم انصاف پسند انسان سے پوچھتے ہیں

آپ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ کی بیوی سے اسی رات میں نکاح کیا جس میں مالک کو قتل کیا گیا، آپ اس سلسلہ میں ایک بھی صحیح سند والی روایت بیان کر سکتے ہیں؟!

خواہش پرست اور فتنہ پرور لوگ ہمیشہ صحابہ کرام سے بحث کرنے اور ان سے سرزد ہونے والے اعمال کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لیتے ہیں بلکہ وہ مختلف کتابوں میں موجود ضعیف روایات سے استدلال کرتے ہیں، ان کے معانی میں بھی تحریف کرتے ہیں اور ان کی غلط تاویل کرتے ہیں، جیسے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے قصہ میں کیا ہے گویا کہ انہوں نے -نعوذ باللہ- مالک بن نویرہ کو صرف اس کی بیوی کو حاصل کرنے کے لئے قتل کیا، حالانکہ یہ سراسر بہتان ہے۔

جو بھی صحابہ کرام کے بارے میں غلط اور بے ہودہ باتیں پھیلانا چاہتا ہو اس کے

---

(۱) تفسیر قمی ۱/۱۴۸، بحار الانوار ۱۰۱/۱۱، مستدرک الوسائل ۱۶/۹۷

لئے اس طرح کی باتیں کرنا مشکل نہیں ہے بلکہ ہر متعصب شخص اپنی خواہش کے مطابق واقعات وروایات اور تاریخ میں تحریف وغلط تاویل کر سکتا ہے۔

یہی طریقہ اختیار کرکے مستشرقین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے بارے میں مختلف الزامات لگائے جیسے کہ حضرت خالد بن ولید کے بارے میں کہا گیا۔

کینہ پرور مستشرقین کے اس اعتراض کا پھر کیا جواب دیا جائے گا جب کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کی بیوی کو دیکھا جب کہ وہ غسل کر رہی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ پسند آگئیں، ان کو ان کے شوہر (زید) سے طلاق دلوائی تاکہ وہ آپ کے لئے حلال ہو جائے؟

رضا علیہ السلام کہتے ہیں "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی کے گھر تشریف لے گئے وہاں دیکھا کہ ان کی زوجہ غسل کر رہی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان الذي خلقك، پاک ہے وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے جیسے کہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے أفأصفاكم ربكم بالبنين واتخذ من الملائكة إناثا، إنكم لتقولون قولا عظيما، (إسراء ۴۰) ترجمہ: کیسی عجیب بات ہے کہ تمہارے رب نے تمہیں تو بیٹوں سے نوازا اور خود اپنے لئے ملائکہ کو بیٹیاں بنا لیا؟ بڑی جھوٹی بات ہے جو تم زبانوں سے نکالتے ہو"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو غسل کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ وہ ذات پاک ہے اس سے کہ وہ اپنے لئے ایسی اولاد بنائے جس کو اس طرح پاکی اور صفائی

کی ضرورت پڑے، جب حضرت زیدؓ واپس اپنے گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی نے ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور آپ کے قول کے بارے میں بتایا، حضرت زید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے، وہ یہ سمجھے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا حسن اچھا لگا اس لئے آپ نے ایسا فرمایا، اس لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور آپ سے کہا اے اللہ کے رسول! میری بیوی کے جسم میں کچھ کمی ہے، میں اس کو طلاق دینا چاہتا ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ازواج کی تعداد پہلے ہی بتلا دی تھی اور یہ خاتون بھی انہی میں سے تھیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو اپنے دل میں راز ہی رکھا، حضرت زیدؓ کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد نے اپنے غلام سے کہا کہ تمہاری بیوی عنقریب میری زوجیت میں آئے گی، اس طرح لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے، اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں: وإذ تقول للذي أنعم الله عليه وأنعمت عليه أمسك عليك زوجك واتق الله وتخفي في نفسك ما الله مبديه وتخشى الناس والله أحق أن تخشاه (احزاب ۳۷) ترجمہ: اے نبی! یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے انعام کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر، اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو"۔

اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ نے ان کو طلاق دی اور ان کی عدت مکمل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، اور اس کے بارے میں یہ

آیات نازل ہوئیں فلما قضی زید منها وطرا زوجناكها لكي لا يكون على المؤمنين حرج في أزواج أدعيائهم إذا قضوا منهن وطرا وكان أمر الله مفعولا (احزاب ۳۷)

ترجمہ "پھر جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جب کہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔"

بغض وعناد رکھنے والا شخص خوشی سے کھل جاتا ہے جب وہ اس طرح کی باتیں سنتا ہے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے محبت کرنے والا شخص ایک عذر کے بعد دوسرا عذر تلاش کرتا ہے، اگر ان کا کوئی عمل ایسا معلوم ہو جو بظاہر لغزش یا غلطی ہو، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم تھے ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی چیز وں کو عام نہ کرے بلکہ ان کی اچھائیوں کے سمندر میں ان کو شامل کرے ایسی بے بنیاد چیزوں سے اپنی پیٹھ پھیر ے، اپنی نگاہ بند کرلے اور اپنی کانوں پر پردہ ڈال دے، اس لئے کہ محبت و تعلق کی علامت یہی ہے۔

جہاں تک باطل روایات کا تعلق ہے تو ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "فاما الزبد فيذهب جفاء (رعد ۱۷)

ترجمہ جو جھاگ ہے وہ اڑ جاتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔"

اختتام سے پہلے

چند گذارشات

عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ یہ بات معلوم ہے کہ صحابہ کرام کا گروہ تاریخ انسانی کی سب سے بہترین گروہ اور وہ انبیاء و مرسلین کے بعد سب سے بہتر لوگ ہیں، ان کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله " (آل عمران ۱۱۰) ترجمہ اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ -نعوذ باللہ- ارتداد کا شکار ہوئے، اس کو کوئی بھی عقلمند انسان قبول نہیں کر سکتا ہے، بلکہ صحیح عقیدہ رکھنے والا عام مسلمان بھی ان بے بنیاد اعتراضات کا صرف چند سوالات کے ذریعہ جواب دے سکتا ہے، قرآن وسنت کی طرف رجوع کئے بغیر بھی بذات خود وہ اپنے ذہن سے جواب دے سکتا ہے، یہ سوالات حق کے طلبگار اور بصیرت کے حامل شخص کے ذہن میں ادنی سے غور وفکر کے بعد پیدا ہو سکتے ہیں، یہ سوالات مندرجہ ذیل سطور میں دئے جا رہے ہیں

۱- عقل اس بات کو کیسے قبول کر سکتی ہے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین کے اصحاب -نعوذ باللہ- کافر ہو سکتے ہیں، جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ہی اپنی کتاب عزیز میں ان کی تعریف فرمائی ہے، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت نے بھی ان کی

تعریف کی ہے اور ان کے ظاہر و باطن کا تزکیہ فرمایا ہے، کیا اللہ تعالیٰ منافقین اور کفار و مرتدین کی تعریف کرسکتا ہے؟ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت ایسا کرسکتے ہیں؟

۲- مرتد کسی شبہ کی وجہ سے یا خواہش کی وجہ سے مرتد ہوتا ہے، یہ سب جانتے ہیں کہ ابتداء میں اس طرح کی چیزیں زیادہ تھیں کیونکہ مسلمان اس وقت مظلوم و مقہور اور کمزور تھے جب کہ مرحلہ کفار کا دور دورہ تھا، مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو ابتلاء و آزمائش کا نشانہ بنایا جا رہا تھا، اقارب سے بھی اور مشرکین کی طرف سے ان کو اذیت و تکالیف پہنچ رہی تھیں لیکن وہ صبر کر رہے تھے، اذیتوں کو برداشت کر رہے تھے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی کی تھی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا تھے، مقہور و مغلوب تھے اور تمام لوگ آپ کے خلاف عداوت پر مجتمع تھے۔

بعض مسلمانوں نے ہجرت کی، اپنے گھربار اور مال و دولت کو خیرباد کہا اپنی قوم میں جو مقام و مرتبہ اور سیادت و قیادت ان کو حاصل تھی اس کو محض اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں چھوڑ دیا۔

یہ سب کچھ انہوں نے اختیار و آزادی اور رغبت و شوق کے ساتھ کیا، لہذا جس کا ایمان کمزوری اور بے کسی کی حالت میں مضبوط پہاڑوں کی طرح راسخ تھا، خدا کی قسم! اسلام کے غالب ہونے کے بعد اور اس کا پرچم بلند ہونے کے بعد اس کا ایمان کیسا ہوگا؟ ایسے میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت کیوں کرتے؟ جب کہ وہ جانتے تھے کہ آپ کے حکم کی مخالفت اللہ کے ساتھ کفر ہے اور دین سے ارتداد ہے۔

لہذا کیا یہ معقول بات ہے کہ تمام مہاجرین و انصار نے حضرت ابوبکرؓ کے

ساتھ - نعوذ باللہ - کفر اختیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی اتباع کو ترک کردیا، اور یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے فضل، اس کی خوشنودی کی تلاش میں اپنے گھروں سے نکلے تھے؟

۳- ایک انسان کی عقل کیسے گوارہ کرسکتی ہے کہ صحابہ کے بارے میں کفر یا ارتداد کا حکم صادر کرے، حالانکہ حضرت علیؓ - جو عالم و فقیہ ہیں - سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "اس سے پہلے کہ میں تم سے رخصت ہو جاؤں مجھ سے پوچھ لو" - حضرت علی نے اہل جمل اور صفین میں سے کسی کی بھی تکفیر نہیں کی، نہ ہی ان کی ذریت کو قید کیا اور نہ ہی ان کے مال کو بطور غنیمت حاصل کیا، بلکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ اس سے دور تھے، یہ تو ان لوگوں کے ساتھ کا معاملہ ہے جن کے ساتھ انہوں نے قتال کیا، رہے وہ لوگ جن کے ساتھ انہوں نے قتال نہیں کیا مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ وغیرہم، ان لوگوں کے بارے میں ان کا موقف کیسا ہوگا؟

بلکہ حضرت علیؓ نے سوحیقہ اور ان جیسے دوسرے مرتدوں پر مرتد ہونے کا حکم نہیں لگایا بلکہ جنگ جمل میں آپ اعلان کر رہے تھے "کسی بھی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی زخمی کا مال نہ چھینا جائے، کسی کو بے پردہ نہ کیا جائے، کسی کی عزت کو پامال نہ کیا جائے"۔(۱)

اسی طرح حضرت علیؓ اپنے لشکر سے کہتے تھے ہم ان سے اس لئے نہیں لڑتے ہیں کہ ہم ان کی تکفیر کرتے ہوں اور نہ ہی اس لئے کہ انہوں نے ہماری تکفیر کی ہے بلکہ بات

(۱) مستدرک الوسائل ۱۱/۵۴، بحار الانوار ۳۲/۴۵۴

یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہی حق پر ہیں"۔(۱)

۴- یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تو صالحین کی صحبت اختیار کرنے اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرنے کا حکم دیں اور خود-نعوذ باللہ- ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھیں جو مرتد اور منافقین ہوں (جیسا کہ ان تمام لوگوں کا دعویٰ ہے) اللہ اپنے نبی کو ایسے لوگوں سے کیوں نہ بچاتا اگر ایسا ہوتا؟!

۵- یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تو اہل دین اور بہترین اخلاق کے حامل لوگوں کو قرابت دار بنانے کا حکم دیں اور اہل کبائر اور گنہگار لوگوں سے دور رہنے کا حکم دیں اور پھر خود اس معاملہ میں مخالفت کر کے مرتد لوگوں کو قرابت دار بنائیں، کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم -نعوذ باللہ- اس میں غلطی پر تھے؟!

۶- اہل بیت اپنے بچوں کو کبار صحابہ کے ناموں سے کیوں موسوم کرتے ہیں، مثلاً ابوبکر، عمر، اور عثمان، اور اس کو وہ پسند کرتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ -نعوذ باللہ- وہ مرتد یا کافر تھے تو اس کو فرعون و قارون اور دوسرے کفار کے ناموں سے اپنے بچوں کو موسوم کرنا جائز قرار دیا جانا چاہئے، کیونکہ تب تو بات ایک ہی ہے۔ حالانکہ محبت کے اظہار کی دلیل ہی یہی ہے کہ انہی کے مبارک سرچشمہ سے استفادہ کیا جائے اور انہی کے نقش قدم پر چلا جائے۔

۷- ہم ایسے لوگوں کے طعن و تشنیع کو کیسے جائز قرار دے سکتے ہیں جنہوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کی؟ حالانکہ حضرت علیؓ نے بذات خود اپنے لوگوں کو انہیں برا بھلا کہنے

(۱) قرب الاسناد ص ۴۵

اور ان پر لعن طعن کرنے سے منع کیا ہے؟ اور ان سے کہا "مجھے تمہارے بارے میں یہ بات ناپسند ہے کہ تم لعنت کرنے والے اور برا بھلا کہنے والے ہو"۔(۱)

۸- تاریخ کے ساتھ انصاف کرنے والا شخص جب تاریخ پڑھتا ہے تو کہیں سے یہ بات ثابت نہیں ہے کہ صحابہ نے عہد نبوی میں کسی غلط فکر کی ترویج کی ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بغاوت کی ہو، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت قائم کی اور اس کو استحکام بخشا۔

بلکہ تمام صحابہ اپنی جان و مال کے ذریعہ جہاد کر رہے تھے، بعض اس راہ میں شہید ہوئے۔ کیا ایک منافق ایسا کر سکتا ہے؟ یا وہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے گا اور دنیاوی مفادات کے حصول کے لئے مواقع کی تلاش میں رہے گا؟!

۹- اسلامی فتوحات اور دوسرے کارہائے نمایاں، کیا یہ تمام چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے اور صدق نیات کے واضح دلائل نہیں ہیں؟ یا اس میں اس کے دلائل ہیں کہ صحابہ دنیا سے محبت کرتے تھے، خواہش نفس کی پیروی کرتے تھے اور باطل کے لئے اپنی جانوں کو قربان کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ)؟!

۱۰- موجودہ زمانہ کی حکومتیں اپنی حکومتوں کے استحکام و تعاون کے لئے باصلاحیت اور وفادار لوگوں کا انتخاب کرتی ہیں، تو کیا یہ معقول بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بغیر حمایت و رہنمائی کے چھوڑ دیا ہو جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر سوچے سمجھے منافقین کی ایک جماعت کا انتخاب کیا ہوتا کہ وہ اپنے نبی کی معاونت کریں اور

(۱) مستدرک الوسائل ۱۲/۳۰۶، بحار الانوار ۳۲/۳۹۹، وقعۃ صفین ص ۱۰۳

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین پھیلائیں، حالانکہ آپ خاتم الرسل ہیں۔

ا۱- ایک عام مسلمان کو ایک اہم مسئلہ کے بارے میں سوال کرنے کا حق ہے کہ اگر صحابہ -نعوذ باللہ- مرتد اور اللہ کے دین کو چھوڑنے والے تھے لہٰذا ان کے واسطے سے جو کچھ منقول ہے وہ بھی باطل ہے! مثلاً احکام، قرآن وغیرہ۔

لہٰذا کون سی صحیح شریعت کے مطابق ہم عبادت کریں؟ اور اس قرآن پر ہم کیسے اعتماد و انحصار کریں۔ جس کو ان لوگوں نے نقل کیا ہے؟!

قارئین کرام! ہمیں اچھی طرح یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ اعدائے اسلام نے صحابہ کرام کے بارے میں طعن و تشنیع اور الزامات لگانے کا طریقہ اس لئے ایجاد کیا ہے کیونکہ وہی ہیں جنھوں نے قرآن وسنت کو صحیح اور متواتر سندوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، روئے زمین پر کوئی بھی ایسا دین موجود نہیں ہے جس میں اس کی کتاب مقدس یا نبی کے فرمودات کے بارے میں تواتر کے ساتھ ایسی سندیں موجود ہوں، یہ خصوصیت صرف مسلمانوں ہی کو حاصل ہے جو صحابہ کرام سے محبت بھی کرتے ہیں اور ان کا ساتھ بھی دیتے ہیں۔

قرآن کریم اور سنت نبوی دونوں چیزیں ہم تک حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرام اور ان کے نقش قدم اور طریقہ پر چلنے والوں کے ذریعہ پہنچیں، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس دین کو مٹانے کے لئے اور مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرنے کے لئے کس قدر دور اندیشی کے ساتھ ناپاک منصوبہ بندی کی گئی ہے تاکہ ہم بھی یہود و نصاریٰ کی اتباع کریں جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو متنبہ فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولن ترضى عنك اليهود ولا النصارى حتى

تتبع ملتهم" (بقرة ۱۲۰)

ترجمہ: یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔

آخیر میں، ہم بھی وہی دعا کرتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں قیام کرتے ہوئے کہا کرتے تھے

اللهم رب جبرائيل وميكائيل وإسرافيل فاطر السموات والأرض عالم الغيب والشهادة أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم آمين، آمين، آمين۔

اے اللہ! جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! خالق ارض وسماء، ظاہر و باطن کا علم رکھنے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان صحیح فیصلہ فرمائے گا۔ ان تمام امور میں جن میں وہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں، ہمیں حق کا راستہ اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرما، تو ہی جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ آمین!

فہرست مراجع

۱- قرآن کریم

۲- الاحتجاج ابومنصور احمد بن علی طبرسی، مطبوعہ نشر مرتضی مشہد مقدس (۱۴۱۳ھ)

۳- الاختصاص، محمد بن محمد نعمان (لقب المفید) انتشارات کنگرہ جہانی قم۔ (۱۴۱۳ھ)

۴- ارشاد القلوب حسن بن ابی الحسن دیلمی، انتشارات شریف رضا، ۱۴۱۲ھ۔

۵- آراء حول القرآن، سید فانی الاصفہانی، دار الھادی، بیروت

۶- اعلام الوری، امین الدین فضل بن حسن طبرسی، دار الکتب الاسلامیہ طہران

۷- امالی الصدوق، ابوجعفر محمد بابویہ قمی (صدوق) انتشارات کتابخانہ اسلامیہ ۱۳۶۲ھ

۸- امالی الطوسی، شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، انتشارات دار الثقافہ قم ۱۴۱۴ھ

۹- بحار الانوار، شیخ محمد باقر مجلسی، موسسۃ الوفاء، بیروت، لبنان، ۱۴۰۴ھ

۱۰- بصائر الدرجات، محمد بن حسن بن فروخ الصفار، مکتبۃ آیۃ اللہ المرعشی قم ۱۴۰۴ھ

۱۱- تاویل الآیات الظاہرۃ، سید شرف الدین حسینی استرآبادی، انتشارات جامعۃ مدرسین، قم، ۱۴۰۹ھ۔

۱۲- تہذیب الأحکام، ابوجعفر محمد عبد الحسن الطوسی، دار الکتب الاسلامیۃ، طہران، ۱۳۶۵ھ

۱۳- تفسیر الأمثل، ناصر مکارم شیرازی، (پہلا ایڈیشن) موسسۃ البعثۃ للطباعۃ والنشر، بیروت

۱۴- تفسیر بیان السعادۃ، الحاج سلطان محمد الجنابذی، (دوسرا ایڈیشن) مطبعۃ جامعۃ طہران۔

۱۵- تفسیر التبیان، ابوجعفر محمد بن حسن طوسی (پہلا ایڈیشن) تحقیق احمد حبیب عاملی، قم مکتب الاعلام الاسلامی۔

۱۶- تفسیر تقریب القرآن، سید محمد حسینی شیرازی، (پہلا ایڈیشن) موسسۃ الوفاء، بیروت۔

۱۷- تفسیر جامع الجوامع، امین الدین ابوعلی الفضل طبرسی، (تیسرا ایڈیشن) موسسۃ النشر والطبع، جامعۃ طہران۔

۱۸- تفسیر الجدید، شیخ محمد سبزواری نجفی، (پہلا ایڈیشن) دار التعارف للمطبوعات، بیروت۔

۱۹- تفسیر الجوہر الثمین، سید عبد اللہ شبر (پہلا ایڈیشن)

مکتبۃ الالفین، کویت

۲۰- تفسیر شبر، سید عبد اللہ شبر، (پہلا ایڈیشن) دار البلاغۃ للطباعۃ والنشر، بیروت

۲۱- تفسیر الصافی، مولی محسن (الفیض الکاشانی) (پہلا ایڈیشن) دار المرتضی للنشر، مشہد

۲۲- تفسیر العیاشی، ابو النضر محمد بن مسعود بن عیاش، طہران، المکتبۃ العلمیۃ الاسلامیہ۔

۲۳- تفسیر القمی، علی بن ابراہیم القمی، (تیسرا ایڈیشن) قم، موسسۃ دار الکتاب للطباعۃ والنشر۔

۲۴- تفسیر الکاشف، محمد جواد مغنیہ، (تیسرا ایڈیشن) دار العلم للملایین

۲۵- تفسیر مجمع البیان، امین الدین ابو علی فضل طبرسی، بیروت، دار احیاء التراث العربی (۱۳۷۹ھ)

۲۶- تفسیر مختصر مجمع البیان - شیخ محمد باقر ناصری، (دوسرا ایڈیشن) موسسۃ النشر الاسلامی التابعۃ لجماعۃ المدرسین۔

۲۷- تفسیر المعین المولی نور الدین محمد بن مرتضی الکاشانی، (پہلا ایڈیشن) مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی المرعشی نجفی، قم۔

۲۸- تفسیر من ھدی القرآن، سید محمد تقی المدرسی، (پہلا ایڈیشن) دار الھدی۔

۲۹- تفسیر المیزان، محمد الکرمی، قم، المطبعۃ العلمیۃ (۱۴۰۲ھ)

۳۰- تفسیر من وحی القرآن، سید محمد حسین فضل اللہ، (تیسرا ایڈیشن) بیروت، دار الزہراء للطباعۃ والنشر

۳۱- تفسیر المیزان، سید محمد حسین الطباطبائی (تیسرا ایڈیشن) طہران، دار الکتب الاسلامیۃ)

۳۲- تفسیر نور الثقلین، شیخ عبد علی بن جمعہ الحویزی، (دوسرا ایڈیشن) المطبعۃ العلمیۃ، قم۔

۳۳- تفسیر الوجیز، علی بن حسین بن ابی جامع العاملی، دار القرآن الکریم، قم (پہلا ایڈیشن)

۳۴- ثواب الاعمال، ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی، انتشارات شریف رضا، قم، ۱۳۶۶ھ۔

۳۵- الحدائق الناضرہ، المحقق البحرانی، جماعۃ المدرسین، قم۔

۳۶- الخصال، ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی، (صدوق) انتشارات جامعہ مدرسین قم، ۱۴۰۳ھ)

۳۷- تفسیر مقتنیات الدرر - میر سید علی حائری طہرانی - طہران - دار الکتب الاسلامیۃ

۳۸- الدعوات، قطب الدین راوندی، مدرسۃ الامام المہدی، (ع) قم، ۱۴۰۷ھ)

۳۹- رجال ابن داؤد، ابن داؤد الحلی، موسسۃ النشر فی جامعۃ طہران، ۱۳۸۳ھ۔

۴۰- رجال الطوسی، ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، منشورات الرضی، قم، ایران۔

۴۱- رجال الکشی، محمد بن عمر بن عبد العزیز الکشی، انتشارات دانشگاہ مشہد، ۱۳۴۸ھ

۴۲- سر السلسلة العلوية، ابن نصر بخاری

۴۳- سيرة الأئمة الإثنی عشر، سید ہاشم (الحسنی)، دار المعارف، (چھٹا ایڈیشن)

۴۴- شرح أصول الكافی، مولی محمد صالح المازندرانی۔

۴۵- شرح نهج البلاغة، عبد الحمید بن ابی الحدید المعتزلی، کتب خانہ آیۃ اللہ المرعشی، قم ۱۴۰۴ھ

۴۶- الصحيح من سيرة النبی الأعظم، علامہ سید جعفر مرتضی العاملی، دار الہادی، بیروت، (چوتھا ایڈیشن)

۴۷- الصحيفة السجادية، امام علی بن حسین (ع) نشر الہادی، قم، ۱۳۷۶ھ

۴۸- صراط النجاة فی أجوبة الاستفتاءات، آیۃ اللہ العظمی سید ابو القاسم الخوئی، دار المحجۃ البیضاء دار الرسول الاکرم صلی اللہ علیہ وسلم (پہلا ایڈیشن)

۴۹- علل الشرائع، ابو جعفر محمد بن علی بن بابویہ قمی (صدوق) انتشارات مکتبۃ الداوری، قم

۵۰- العمدة، ابن بطریق یحییٰ بن حسن الحلی، انتشارات جامعہ مدرسین، قم (۱۴۰۷ھ)

۵۱- عمدة الطالب فی أنساب آل أبی طالب، جمال الدین احمد حسین

بن علی بن مہنا (ابن عنبہ) ت ۸۲۸ھ، منشورات المطبعۃ الحیدریۃ، نجف

۵۲- عوالی اللآلی، ابن ابی جمہور الاحسائی، انتشارات سید الشہداء، قم (۱۴۰۵ھ)

۵۳- عيون أخبار الرضا، ابو جعفر محمد بن علی (صدوق) انتشارات جہاں، (۱۳۷۸ھ)

۵۴- فرق الشيعة، شیخ الحسن بن موسی نوبختی، (دوسرا ایڈیشن) ۱۴۰۴ھ منشورات دار الاضواء، بیروت، لبنان

۵۵- فقه الرضا (ع) نشر المؤتمر للامام الرضا (ع) (۱۴۰۶ھ)

۵۶- قرب الإسناد، عبد اللہ بن جعفر حمیری، مکتبۃ نینوی، طہران۔

۵۷- الكافی، محمد بن یعقوب الکلینی، دار الکتب الاسلامیۃ، ۱۳۶۵ھ

۵۸- كشف الغمة فی معرفة الأئمة، ابو الحسن علی بن عیسی اربلی، چاپ مکتبۃ بنی ہاشم تبریز ۱۳۸۱ھ

۵۹- لسان العرب، علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور، دار الفکر للطباعۃ والنشر، (پہلا ایڈیشن)

۶۰- مجموعة ورام، ورام بن ابی فراس، انتشارات مکتبۃ الفقیہ، قم

۶۱- مجمع الرجال، علی القہپائی، مؤسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان۔

۶۲- مدينة المعاجز، سید ہاشم البحرانی، مؤسسۃ المعارف الاسلامیہ، قم، (پہلا ایڈیشن)

۶۳- مستدرك الوسائل، حسین النوری طبرسی، مؤسسۃ

آل البیت، قم ۱۴۰۸ھ

۶۴- المقالات والفرق، سعد بن عبداللہ اشعری، موسسۃ مطبعاتی عطائی طہران ۱۹۶۳ھ

۶۵- من لا یحضرہ الفقیہ، شیخ الصدوق، موسسۃ النشر الاسلامی، قم ۱۴۱۳ھ

۶۶- مناقب آل ابی طالب علیہ السلام، ابو جعفر محمد بن علی بن شہر آشوب المازندرانی، موسسۃ انتشارات العلامہ، قم ۱۳۷۹ھ

۶۷- منہاج البراعۃ فی شرح نہج البلاغہ، علامہ میرزا حبیب اللہ الخوئی، موسسۃ دار الوفاء، بیروت

۶۸- نہج البلاغہ، شریف رضی، انتشارات دار الہجرۃ، قم

۶۹- النوادر، سید فضل اللہ الراوندی، موسسۃ دار الکتاب، قم

۷۰- وقعۃ صفین، نصر بن مزاحم بن سیار المنقری، مکتبۃ آیۃ اللہ المرعشی، قم (۱۴۰۳ھ)
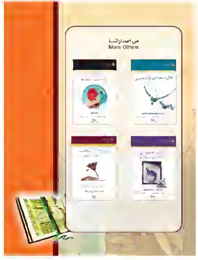
۷۱- وسائل الشیعہ، محمد بن حسن الحر العاملی، موسسۃ آل البیت، قم ۱۴۰۹ھ